قیمت مجلد عہ، پتہ:- کتب خانہ علم وادب دہلی،

سلاسل جناب جان نثار حسین صاحب اختر کی متغزلانہ (رومانی) اور انقلابی نظموں کا مجموعہ ہے، نوجوان شعرا میں مصنف میں شاعری کی اچھی صلاحیت ہے اور وہ رومانی نظمیں خوب کہتے ہیں لیکن شاعری کے موجودہ رجحان کو دیکھ کر انھیں بھی انقلابی شاعر بننا پڑا، لیکن یہ رنگ ان کا فطری نہیں ہے بلکہ اس کو وہ اپنے اوپر طاری کر رہے ہیں، جو ان کی فطری صلاحیت کے سراسر خلاف ہے، ہر شاعر کے لئے انقلابی ہونا ضروری نہیں ہے، اور نہ اس پر کمال کا انحصار ہے، بزم کا غزل سرا کبھی رزم کا اچھا رجز خوان نہیں ہو سکتا، اسی طرح رزم کا شاعر بزم کا نواسنج نہیں بن سکتا فردوسی کے متعلق یہ لطیفہ تذکروں میں ہے کہ جب اوس نے حضرت یوسف اور زلیخا کی داستان کو نظم کرنا چاہا تو اس کے قلم سے بے اختیار ع بغرید یوسف دگر بار زار، نکل گیا، اس لئے ہمارا مشورہ ہے، کہ مصنف انقلابی شاعری کی دھن میں اپنے اصلی اور فطری رنگ کو برباد نہ کریں، ان میں ادب و شاعری کا صحیح مذاق موجود ہے اسلئے انقلابی شاعری میں ان کے بہکنے کا خطرہ کم ہے، لیکن اسکے لئے جس آتش نفسی کی ضرورت ہے، ان کی رنگین نوائی اسکی متحمل نہیں ہو سکتی جس کا ثبوت انکی انقلابی نظمیں ہیں، گو ادبی حیثیت سے ان میں کوئی نقص نہیں ہے، لیکن ان میں انقلاب کی شورش انگیزی کے بجائے وہی غزل کی رنگینی اور الفاظ کا ترنم نظر آتا ہے،

آئینہ مصحف از جناب عبدالسمیع خانصاحب شاہجہانپوری تقطیع چھوٹی ضخامت ۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ عبدالسمیع خاں بوری بندر انجمن اسلام بمبئی و علمیہ بکڈپو و سلطانیہ بکڈپو بھنڈی بازار بمبئی،

آئینہ مصحف مصنف کے فارسی منظومات کا مجموعہ ہے، کتاب کے شروع میں چند قومی و ملی نظمیں اور آئینہ مصحف کے عنوان کے تحت کلام مجید کے اعجاز و کمالات اس پر عمل کی دعوت اور رموز عشق میں دوسرے مختلف خیالات و جذبات رباعیاں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے فارسی زبان کے موروثی ترکہ کو محفوظ رکھا ہے، چنانچہ ان نظموں کی زبان خاصی ہے، اس کی صحت پر آقائے محمد حسین نجفی کی تصدیق بھی ثبت ہے،

"م"

جلد ۵۲ ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ دسمبر سنہ ۱۹۴۳ء عدد ۶

مضامین

شذرات

ہندوستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ نے اپنی نئی زندگی میں اردو اور ہندی کے رُکے ہوئے کاموں کا سلسلہ پھر شروع کر دیا ہے، اور اُردو سیکشن نے مختلف فنون پر مفید کتابوں کی تالیف و اشاعت کا پروگرام بنایا ہے، جس کا اخبارات اور رسائل میں اعلان ہو چکا ہے، اس پروگرام میں ابتدا سے ۱۹۴۲ء تک کی تمام اردو مطبوعات کی فہرست کی ترتیب بھی شامل ہے، سب سے اوّل مولانا شبلی مرحوم کی تحریک سے محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی نے اس کام کو انجام دیا تھا، اُن کی مرتبہ فہرست ۱۹۲۳ء میں شائع ہو چکی ہے، لیکن اس میں تمام مطبوعات کا احاطہ نہ ہو سکا تھا، اس کے بعد تقریباً دس گیارہ سال ہوئے، ہندوستانی اکیڈمی نے اردو زبان کے سرمایے کے سلسلہ میں اُس وقت تک کی اردو تصانیف کی فہرست بھی مرتب کرائی تھی، یہ بھی ناقص تھی، اور اسکو بھی کئی سال ہو گئے، اردو کتابوں کی تالیف اور دوسری زبانوں کے اُردو تراجم اور اُن کی اشاعت کا اصلی زمانہ یہی بیس پچیس سال کی مدت ہے، اس میں جتنی کتابیں تالیف و ترجمہ ہوئیں اتنی اس سے پہلے نصف صدی بلکہ شاید پوری صدی میں نہ ہوئی تھیں، اس لئے ایک نئی فہرست کی ضرورت تھی جس کی جانب ہندوستانی اکیڈمی نے توجہ کی ہے، لیکن یہ کام کسی ایک فرد یا ایک ادارہ کے بس کا نہیں ہے اور مختلف کتب خانوں کے مہتمموں، تجارتی مکتبوں، مطبعوں اور ناشروں کی امداد کے بغیر اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی، امید ہے کہ یہ لوگ اس مفید کام کی تکمیل میں اکیڈمی کی پوری مدد کریں گے، مزید معلومات اور تفصیلات سکریٹری ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد سے حاصل ہو سکتی ہیں،

اکیڈمی نے مختلف فنون کی کتابوں کی تالیف کا جو پروگرام بنایا ہے وہ اپنی جگہ پر بہت مفید ہے لیکن

ان موضوعوں پر مختلف اصحابِ علم بھی کتابیں لکھتے رہتے ہیں اور علمی و ادبی اداروں سے بھی نکلتی رہتی ہیں، اردو زبان میں انسائیکلوپیڈیا کی بڑی کمی ہے، لیکن یہ کام اتنا عظیم الشان ہے کہ حکومت کی امداد و سرپرستی کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا، اگر ہندوستانی اکیڈمی اس علمی مہم کو اپنے ہاتھ میں لے لے تو ایک بڑی کمی پوری ہو جائیگی، اور اکیڈمی کا بہت بڑا علمی کارنامہ ہو گا، یہ ایک ایسا کام ہے کہ ہندی اور اُردو دونوں کے لئے مفید ہے، ایک ہی انسائیکلوپیڈیا کے اُردو اور ہندی دونوں اڈیشن شائع ہو سکتے ہیں، اور اس کام میں بیرونی اصحابِ علم اور علمی ادارے بھی امداد اور اشتراکِ عمل کے لئے تیار ہو جائیں گے اگر انسائیکلوپیڈیا کا کام ممکن نہ ہو تو اگر کسی فن نایج کے طور پر عام معلومات ہی ایک کتاب تیار ہو جائے تو بھی غنیمت ہے، امید ہے کہ اکیڈمی کے محترم ارکان اس پر غور فرمائیں گے،

گذشتہ معارف میں حیاتِ شبلی کی تیاری کی اطلاع دی جا چکی ہے، شائقین کو اس کا اتنا انتظار تھا کہ یہ خبر شائع ہوتے ہی فرمائشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے، اصل کتاب تو چھپ کر تیار ہو گئی ہے، لیکن خیال یہ ہے کہ اس میں مولانا شبلی کی مادّی یادگاروں دار المصنفین، ندوہ اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی عمارتوں کے فوٹو بھی دیدیئے جائیں، ان کے بلاک کی تیاری میں دیر ہو گئی، امید ہے کہ دسمبر کے آخر میں تصویریں چھپ جائیں گی، اور انشاء اللہ جنوری کے پہلے ہفتہ میں کتاب شائع ہو جائے گی، جن لوگوں کی فرمائشیں آچکی ہیں ان کے نام درج رجسٹر کر لئے گئے ہیں، کتاب تیار ہوتے ہی ان کے پاس بھیج دی جائیگی، گذشتہ پرچہ میں یہ تصریح رہ گئی تھی کہ یہ کتاب حیاتِ شبلی کا پہلا حصہ ہے، اس میں مولانا کے سوانحِ حیات اور ان کے علمی کارناموں کی تفصیل ہے، علمی کارناموں کا تذکرہ ضمنی ہے، اُن کی تفصیل دوسرے حصہ میں آئیگی اس میں ان کے علوم اور تصنیفات پر مفصل تبصرہ ہو گا،

رحمتِ عالم کو اللہ تعالیٰ نے اتنا حسنِ قبول عطا فرمایا کہ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اس کے ترجمہ کی تحریکیں ہو رہی ہیں، ہندی ترجمہ کی اشاعت کی اطلاع دی جا چکی ہے، بنگال کے ایک صاحب قاضی سید ابو المحسن صاحب کرونیہ ضلع میمن سنگھ نے بنگالی میں اس کا ترجمہ کیا ہے، پروفیسر شیخ عبد القادر صاحب پونہ نے مرہٹی میں ترجمہ کی تحریک فرمائی ہے، جس کی اجازت ان کو دے دی گئی ہے،

———

ہمارے رفیق مولوی محمد اویس صاحب ندوی عرصہ سے اعجاز القرآن پر کام کر رہے تھے، کئی سال کی محنت کے بعد بحمد اللہ یہ کام پورا ہو گیا، اور ابن جریر طبری کے زمانہ یعنی تیسری صدی سے لیکر علامہ رشید رضا مصری کے دور یعنی موجودہ صدی تک ایک ہزار سال کی مدت میں اکابر مفسرین، متکلمین اور علمائے ادب و بلاغت نے اپنی کتابوں میں اعجاز القرآن کے جن جن پہلوؤں پر جو کچھ لکھا ہے اس کو سورتوں اور سنین کی ترتیب کے ساتھ دو جلدوں میں جمع کر دیا ہے، اس سے اعجاز قرآن کے تمام پہلوؤں کے ساتھ اس کے متعلق ہر دور کے علماء کے مذاق، ان کے نقطۂ نظر اور عہد بعہد کے تغیرات کی تاریخ بھی سامنے آ جاتی ہے، دینی پہلو سے قطع نظر یہ کتاب ادبی حیثیت سے بھی عربی ادب و بلاغت کا بوقلموں مجموعہ اور عربی ادب سے ذوق رکھنے والوں کے مطالعہ کے لائق ہو گی،

———

دولتِ آصفیہ کے فیضِ کرم سے ہندوستان کا کوئی اسلامی ادارہ محروم نہیں، علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار دار العلوم ندوۃ العلماء اور دار المصنفین بھی اس چشمۂ فیض سے سیراب ہیں، ناظرین معارف کو یہ سنکر مسرت ہوگی کہ انکی تیسری یادگار شبلی انٹر کالج کو بھی اس مہینہ میں اس سرکار ابد قرار سے یکمشت پانچہزار کا گرانقدر عطیہ مرحمت ہوا ہے، تمام وابستگانِ دامنِ شبلی اس عطیۂ شاہانہ کے ممنون اور سپاس گذار ہیں، کیا عجب ہے کہ دولتِ آصفیہ کی نظرِ التفات اور دستگیری سے شبلی انٹر کالج ایک دن ڈگری کالج کے درجہ تک پہنچ جائے، گذشتہ مہینہ علامہ مرحوم کی یادگار کے سلسلہ میں شبلی کالج کے زیر اہتمام مختلف علمی و ادبی تقریبات ہوئیں اور متعدد اصحابِ علم نے مولانا مرحوم کے سوانح، ان کے علمی و عملی کارناموں اور دوسرے علمی موضوعوں پر تقریریں کیں، اور مقالات پڑھے،

———

مقالات

تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۴)

بنی امیہ کے بعد بنی عباس کی فہرست جرائم کھلی ہے، اس پر نظر ڈالنے سے پہلے اس اعتراف کا اعادہ کر دینا ضروری ہے، کہ عباسی خلفاء یقیناً ملوکیت کے نمایندے تھے، اور ان مین امویون سے بھی زیادہ بیرونی اثرات آگئے تھے، بنی امیہ نے تو اپنی بہت سی خامیون کے باوجود عربیت کو محفوظ رکھا تھا، لیکن عباسی خلفا تو بالکل عجمی رنگ مین رنگ گئے تھے، اور ان کا تعیش و اسراف بنی امیہ سے کہین زیادہ بڑھ گیا تھا، ان کے دور مین مظالم بھی ہوئے لیکن اس کے باوجود ان مین بہت سی خوبیان بھی تھین جس سے اسلام اور مسلمانون کو فائدہ بھی پہنچے، ان کے بہت سے فرمانروا ذاتی حیثیت سے نہایت صالح اور جامع اوصاف تھے، آج مسلمان اپنے جن علمی اور تمدنی کارنامون پر فخر کرتے ہین، ان مین بیشتر دولتِ عباسیہ ہی کا فیض ہے، مصنف نے عباسی خلفا مین سب سے اول عباسی حکومت کے دوسرے خلیفہ منصور کا یہ ظلم بیان کیا ہے:

> اس نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی پہلا کام یہ کیا، کہ ابو مسلم خراسانی کو جو خلافت بنی عباس کا بانی تھا قتل کرا دیا، نظامِ ملوکیت مین احسان کا بدلہ اسی طرح دیا جاتا ہے،

یہ تسلیم ہے کہ ابو جعفر منصور نے دولتِ عباسیہ کے بانی ابو مسلم خراسانی کو قتل کرایا، لیکن یہ قتل خالص پولیٹیکل اسباب کا نتیجہ تھا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ عجمی اپنی حکومت کے زوال کے انتقام میں عربوں کے سخت دشمن تھے، اور انہی نے مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے اور ان کی قوت کو توڑنے کے لئے خلافت کے مسئلہ میں اہلِ بیت، اور غیر اہلِ بیت کے سوال کو زیادہ بڑھایا، اور ہمیشہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش کرتے رہے، ابو مسلم بھی انہی متعصب عجمیوں میں تھا، اس نے بھی عربوں خصوصاً بنی امیہ کی مخالفت میں امام ابو ہاشم علوی کے جانشین محمد بن علی بن عباس کا دامن پکڑا، اُس وقت محمد بن علی کو بنی امیہ کے مقابلہ کے لئے ایک ہوشیار اور تجربہ کار کارکن کی ضرورت تھی، ابو مسلم خراسانی میں یہ تمام اوصاف موجود تھے، اس لئے محمد بن علی نے اوس کو اپنا داعی بنا لیا، بنی امیہ کی قوت کا مدار عربوں پر تھا، لیکن ان کی بدقسمتی سے ان کے آخری دور میں یمن و مضر کے قبائل میں پرانی عصبیت پیدا ہو گئی تھی، ابو مسلم نے اپنی چالاکی سے اس کو اور زیادہ بھڑکا کر ان کی قوت توڑ دی، اسکی تفصیل طبری اور ابن اثیر وغیرہ تمام تاریخوں میں موجود ہے، ابو مسلم کے الفاظ یہ ہیں، کہ "اب عرب آئندہ ہمارے مقابلہ میں کبھی متحد نہیں ہو سکتے" (ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد ۴ ص ۱۴) عربوں کو لڑانے کے بعد اُس نے آسانی سے بنی اُمیہ کا خاتمہ کر کے عباسی حکومت قائم کر دی،

یہ ظاہر ہے کہ وہ عربوں کا دشمن تھا، اور اسے بنی عباس سے کوئی خلوص نہیں ہو سکتا تھا، صرف اپنی غرض کے لئے اوس نے ان کا ساتھ دیا تھا، اس لئے عباسی حکومت کے قیام کے بعد اوس نے اوس پر حاوی ہونے کی کوشش کی، لیکن سفاح اور منصور دونوں عالی دماغ تھے، اس لئے ابو مسلم کی یہ آرزو بر نہ آسکی، اور اس میں اور منصور میں اختلاف شروع ہو گیا، اتفاق سے منصور نے اس کو ایک مہم پر بھیجا، ابو مسلم نے اوس کو سر کیا، اس میں بہت سا مالِ غنیمت ملا، منصور کو چونکہ ابو مسلم پر اعتماد نہ رہ گیا تھا، اس لئے اوس نے مالِ غنیمت کی نگرانی کے لئے ایک آدمی بھیجا، ابو مسلم کو یہ بہت ناگوار ہوا، اس نے کہا "خونریزی میں تو مجھ پر اعتماد کیا جاتا ہے، اور مال کے معاملہ میں یہ اعتماد اٹھ جاتا ہے" اور اتنا برہم ہوا کہ

منصور کو گالیاں تک دیں، اور اسکی مخالفت کے ارادہ سے خراسان روانہ ہو گیا، (الفخری ص ۱۵۰) اور عباسی حکومت کو مٹا کر علوی حکومت قائم کرنے کا عزم کر لیا (دول الاسلام ذہبی جلد اول ص ۷۰) خراسان اسکی قوت کا مرکز تھا، اور منصور کے لئے اس کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا، اور اسکے لئے دو ہی صورتیں تھیں، یا وہ اس خطرہ کو گوارا کرتا، یا ابو مسلم کا خاتمہ کرا دیتا، اس کے لئے منصور نے دوسری صورت اختیار کی اور ابو مسلم کا خاتمہ کرا دیا، اس قسم کے واقعات سیاسی دنیا میں کوئی نئی چیز نہیں،

اس کے بعد مصنف نے منصور کی زبان سے اس کے مظالم کی یہ توجیہ نقل کی ہے:

"عبد الصمد بن علی نے منصور سے کہا کہ آپ نے سزا دینے میں ایسی کمر باندھی رکھی ہے، گویا معافی کا نام ہی نہیں سُنا، منصور نے کہا ہم ابھی تک ایسی قوم ہیں کہ انھوں نے کل تک تو ہمیں بازاری دیکھا، اور آج خلیفہ بنا ہوا پایا، اب ہماری ہیبت لوگوں کے دلوں میں نہیں ہو سکتی، تا وقتیکہ لوگ عفو کو نہ بھول جائیں، اور سزا کے لئے ہر وقت آمادہ نہ رہیں، ایسا ہی رہے گا، (ص ۹۳)

سیوطی نے یہ روایت ضرور نقل کی ہے، لیکن وہ نقلِ روایت میں حد درجہ غیر محتاط ہیں اور ان کی اس بے احتیاطی پر ناقدین کا اتفاق ہے، یہ روایت بھی اسی قبیل کی ہے، اس روایت کی صداقت خود اس کے بعض فقروں سے ظاہر ہے، خلافت سے پہلے بھی عباسی خاندان کی عظمت مسلم تھی، اور کسی زمانہ میں بھی لوگوں نے عمِ رسول کی اولاد کو بازاری نہیں سمجھا، پھر منصور جیسا دبدبہ و شکوہ کا خلیفہ تو اپنے خاندان کے متعلق اس قسم کے الفاظ استعمال ہی نہیں کر سکتا تھا،

یہ صحیح ہے کہ عباسی خلفا میں منصور نسبتہً سخت گیر اور ظالم تھا، اور چونکہ اس کا زمانہ دولتِ عباسیہ کا ابتدائی دور تھا، اس لئے اس نے اپنے مخالفین پر سختیاں بھی کیں، لیکن ظلم و جور اس کا اصولِ حکومت نہ تھا، اس کے ظلم کے ساتھ عدل و انصاف کے واقعات بھی ہیں جنھیں مصنف نے نظر انداز کر دیا ہے، اس کا قول تھا کہ خلیفہ کو صرف تقوی درست رکھ سکتا ہے، سلطان کو اطاعت اور رعایا کو عدل، جو شخص سزا دینے پر قدرت رکھتا ہو

اس کے لئے عفو و درگذر زیادہ مناسب ہے، اور وہ بڑا کم عقل ہے، جو زیر دستون پر ظلم کرتا ہے" (تاریخ خطیب جلد ۱ ص ۶۵) یہ محض اخلاقی تخیل نہ تھا، بلکہ اس کی عملی مثالین بھی ملتی ہین، امن پسند رعایا کے ساتھ اس کا طرزِ حکومت عادلانہ تھا، اس نے عام آزادی دے رکھی تھی، کہ جس کو کسی عہدہ دار سے کوئی تکلیف پہونچے، وہ براہِ راست منصور سے اس کی شکایت کر سکتا ہے، ایک عامل نے ایک شخص کی جائداد کا ایک حصہ دبا لیا، اس نے منصور کے پاس دعویٰ کیا، منصور نے فوراً اس عامل کو لکھا کہ اگر تم عدل کروگے، تو سلامتی تمھارے ساتھ رہے گی، اس شخص کے ساتھ انصاف سے کام لو، اسی طریقہ سے ایک اور شخص نے ایک عامل کی شکایت لکھی، منصور نے اس کے جواب مین اس شخص کو اختیار دیا، کہ اگر تمھارا بیان صحیح ہے، تو مین تم کو اجازت دیتا ہون کہ اس عامل کو باندھ کر میرے پاس لے آؤ، طبری نے اس قسم کے اور واقعات بھی نقل کئے ہین، (ملاحظہ ہو طبری جلد ۱۰ ص ۴۴۳)

منصور کے زمانہ میں سب سے بڑا سیاسی انقلاب جس مین اسکی حکومت خطرہ میں پڑگئی تھی، امام نفس زکیہ کے بھائی امام ابراہیم کا خروج تھا، ایک امیر قطن بن معاویہ نے اس مین منصور کے خلاف ابراہیم کا ساتھ دیا، ان کے قتل کے بعد جب قطن کے لئے کوئی جائے پناہ نہ رہ گئی تو منصور کے پاس جاکر انھون نے اپنے قصور کا اقرار کرلیا، کہ میں نے آپ کی مخالفت مین اپنی پوری قوت صرف کردی، آپ کے دشمن کا ساتھ دیا، آپ کی حکومت مٹانے کی کوشش کی، اگر آپ مجھے معاف فرمائین تو آپ اس کے اہل ہین، اور سزا دین تو میری چھوٹی سی چھوٹی خطا میرے قتل کرنے کے لئے کافی ہے، منصور نے ان کو معاف کردیا، اور ان کی کل املاک جو ضبط کرلی تھی، واگذار کردی، (تاریخ خطیب ج ۱۰ ص ۵۹ و ۶۰)

ایک مرتبہ منصور خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوا، ابھی حمد و ثنا شروع کی تھی، کہ ایک شخص نے اٹھ کر کہا آپ جس ذات (خدا) کا ذکر کر رہے ہین مین اسے آپ کو یاد دلاتا ہون، منصور نے کہا مرحبا تم نے بڑی جلیل القدر ذات کو یاد دلایا، اور بڑی عظیم الشان ہستی کا خوف دلایا، مین اس سے پناہ مانگتا ہون، کہ میرا شمار ان لوگون مین ہو جن کو اگر خدا کا خوف دلایا جاتا ہے تو ان کی نخوت ان کو اور زیادہ گناہ پر آمادہ کرتی ہے، پند دموعظت

ہمارے ہی گھر سے نکلی ہے، اس لئے ہم اس کے قبول کرنے کے زیادہ مستحق ہین، لیکن مین خدا کی قسم کھا کر کہتا ہون کہ اس وقت اس ٹوکنے سے تمھارا یہ مقصد تھا کہ لوگ یہ کہین کہ اس نے خلیفہ کو ٹوکا، اس پر اس کو سزا دیگئی، یہ بہت پست خیال ہے، لیکن مین تمھین معاف کرتا ہون، (خطیب ج ۱۰ ص ۵۶)

منصور کے بعد خلیفہ ہادی کے مظالم کے سلسلہ مین یہ واقعہ نقل کیا ہے :-

"خلیفہ ابو محمد ہادی نے جب اپنے بھائی ہارون الرشید کے بجائے اپنے لڑکے کو ولیعہد بنانا چاہا تو یحییٰ ابن خالد کے مشورہ سے ہارون نے تسلیم نہ کیا، تو اس نے ہرثمہ بن اعین کو حکم دیا، کہ آج ہی شب مین ہارون الرشید کو قتل کردے، اور اس کو قتل کرنے کے بعد جیل جانا اور آل ابی طالب میں سے جتنے قیدی ہون ان مین سے بعض کو قتل کردینا اور بعض کو دجلہ مین ڈبو دینا پھر ایک لشکر لیکر کوفہ جانا عباسیون مین جو لوگ ہمارے حامی ہون ان کو چھوڑ کر شہر مین آگ لگا دینا کیونکہ وہ لوگ آل ابی طالب کے مددگار اور ہمارے دشمن ہین لیکن اسی شب مین ہادی کا انتقال ہوگیا،

مصنف نے حسب معمول اس واقعہ کا بھی کوئی حوالہ نہین دیا ہے، ہم نے تمام متداول تاریخون میں دیکھا لیکن اس شکل مین یہ واقعہ کہین نظر نہ آیا، ہادی نے رشید کو ولیعہدی سے خارج کرنے کی کوشش ضرور کی لیکن اسکی صورت یہ تھی، "ہادی نے جب ہارون کو ولیعہدی سے خارج کرکے اپنے لڑکے جعفر کو خلیفہ بنانا چاہا، اور ہارون پر دست برداری کے لئے زور ڈالا، تو وہ اس کے لئے آمادہ ہوگیا، لیکن اوس کے اتالیق یحییٰ بن خالد نے روکا، جو لوگ جعفر کے مؤید تھے، اونھون نے ہارون سے شکایت کی، کہ ہارون ہرگز آپ کے حکم کی مخالفت نہ کرتا یحییٰ اس کو بھڑکاتا ہے، ہادی نے یحییٰ کو طلب کرکے اوس سے بازپرس کی، اس نے کہا آپ ہی نے مجھکو شاہزادہ ہارون کی خدمت کا حکم دیا تھا، مین صرف آپ کا حکم بجالاتا تھا، اس جواب سے ہادی کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا، اور اس نے اس بارہ مین یحییٰ سے مشورہ کیا، اس نے کہا اگر آج امیر المؤمنین، امیر المؤمنین مہدی کے نامزد کردہ ولیعہد کو خارج کردین گے، تو اس مثال سے کل دوسرون کو امیر المؤمنین کے نامزد کردہ ولیعہد کو ولیعہدی سے خارج کردینے کا حوصلہ پیدا ہوگا،

ہان اگر آپ ہارون کے بعد شاہزادے جعفر کو ولیعہد بنانا چاہین، تو یہ زیادہ بہتر صورت ہو گی، یہ معقول مشورہ ہادی کی سمجھ مین آگیا، اوس نے کہا تم سچ کہتے ہو، لیکن امرا نے پھر اس کو بھڑکا دیا، اور اس نے یحییٰ کو قید کر دیا، یحییٰ نے اس سے ملنے کی خواہش کی، ہادی نے اجازت دی، اور اس نے دوبارہ گفتگو کی، اور کہا اگر نصیب اعدا اس وقت امیر المومنین کا سایہ ہمارے سرون سے اٹھ جائے تو کیا امیر المومنین کو اس کی توقع ہے کہ لوگ نابالغ شاہزادے جعفر کی خلافت کو تسلیم کر لین گے، اور وہ نماز، حج اور جہاد مین اس کی امارت پسند کرین گے، ہادی نے کہا ہان یہ ضرور مشتبہ ہے، یحییٰ نے عرض کیا، پھر ایسی صورت مین کیا آپ کو یہ خطرہ نہیں ہے، کہ آپ کے خاندان کے سن رسیدہ لوگ خلافت کے مدعی ہو جائین، اور یہ منصب آپکے پدر بزرگوار کی اولاد سے نکل جائے، اس لئے مین تو یہ عرض کرونگا کہ اگر امیر المومنین مہدی نے ہارون کو ولیعہد نہ بھی بنایا ہوتا تو یہ آپ کا فرض تھا، میری راے یہ ہے کہ آپ ہارون کی ولیعہدی برقرار رکھئے، جعفر کے بلوغ کے بعد مین خود ہارون کو دست بردار کرادونگا، ہادی نے کہا تم نے جس پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے، یہ میری نگاہ مین بھی تھا، اور یحییٰ کا مشورہ قبول کر لیا، لیکن یحییٰ کے مخالفین نے پھر ہادی کو بھڑکایا، اور اوس نے اس کو قید کر کے ہارون پر پھر دباؤ ڈالنا شروع کیا، لیکن ابھی اسکا منصوبہ پورا نہ ہوا تھا کہ اس کا وقت آخر ہو گیا، (ابن اثیر ج ۶ ص ۳۲)

اس کے بعد ہارون رشید کے مظالم مین برامکہ کی تباہی کا واقعہ لکھتے ہین:

"ہارون کو تخت خلافت صرف یحییٰ برمکی کی تنہا کوششون سے حاصل ہوا، یحییٰ ہی کی تربیت نے ہارون کو ہارون بنایا تھا، لیکن ہارون رشید نے یحییٰ برمکی، اور اسکی اولاد کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ خلفاے بنی عباس کا سب سے ظالمانہ اور تاریک ترین کارنامہ ہے، یحییٰ برمکی اور اس کے دونون بیٹے فضل و جعفر یکے بعد دیگرے ہارون کے وزیر اعظم رہ چکے تھے، اور ان تینون کی ذہانت و قابلیت نے ہارون رشید کا سکہ تمام جہان مین بٹھا دیا تھا، خلیفہ ہارون جعفر برمکی کا اس قدر دلدادہ تھا کہ ہر وقت اس کو سامنے رکھتا تھا، یہان تک کہ ایک جبہ ایسا بنوایا تھا، کہ جعفر اور ہارون دونون

اس کو پہنتے تھے، چونکہ اس کو اپنی بہن عباسہ سے بیحد محبت تھی، اور وہ جعفر کی وجہ سے دربار مین نہ آسکتی تھی، اس لئے ان دونون کا نکاح اس شرط پر کر دیا تھا کہ آپس مین خلوت نہ کرین، لیکن ان تعلقات کے باوجود وہ جعفر کے بڑھتے ہوئے اثر اور برامکہ کی ہردلعزیزی کو نہ دیکھ سکا، اور نہایت ہوشیاری سے اپنے جذبات کو چھپا کر ان سے اسی طرح ملتا رہا، اور موقع پاکر جعفر کا سر اپنے غلام سے کٹوایا، فضل اور یحییٰ کو قید کیا، اور قید مین ان دونون کو وہ مصائب پہونچائے کہ یحییٰ کے تمام احسانات کا بدلہ دیدیا، آخر غریب دونون جیل ہی مین مر گئے، اور اس کا پورا خاندان تباہ و برباد کر دیا گیا"

لائق مصنف نے دولت عباسیہ مین برمکی خاندان کی خدمات کے بارہ مین جو کچھ لکھا ہے، بالکل صحیح ہے لیکن برامکہ سے ہارون کی برگشتگی اور ان کے زوال کا سبب ان کی ہردلعزیزی اور ہارون کے حسد کو قرار دینا صحیح نہین ہے، اس کا اصلی سبب حکومت پر ان کا قبضہ و تسلط اور ان کی خودسری تھی، برامکہ حکومت کے تمام سیاہ و سپید پر قابض ہو گئے تھے، اور ہارون محض براے نام خلیفہ رہ گیا تھا، برامکہ اوس کے احکام کی مطلق پروا نہ کرتے تھے، دولت عباسیہ کی تمام بڑی بڑی جاگیرین اور سیر حاصل علاقون پر اونھون نے قبضہ کر لیا تھا، ممالک محروسہ کے خراج کی کل آمدنی اور سلاطین و امراء کے تمام ہدایا و تحائف انہی کے پاس آتے تھے، جس کو وہ اپنے تعیش پر بے دریغ صرف کرتے تھے، اور ہارون کو اگر معمولی رقم کی بھی ضرورت پڑتی تھی، تو مشکل سے ملتی تھی، (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۳)

ان کے اس اقتدار اور خودسری کی وجہ سے ہارون برگشتہ ہو گیا، اور چونکہ حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدے اس خاندان کے قبضہ مین تھے، اس لئے اور ارکان دولت بھی اس سے حسد کرنے لگے تھے، اور اس کے خلاف ہو گئے تھے، جن مین خود جعفر کے رشتہ دار بھی تھے، اونھون نے خلیفہ ہارون کو بھڑکانا شروع کیا، برامکہ اپنی عجمیت کی وجہ سے عباسیون کے حریف مقابل اہل بیت نبوی صلعم کے ہمدرد و ہوا خواہ تھے، اور ان کی حمایت مین رشید کے احکام کی پروا نہ کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ نفس زکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ کو جو حکومت کے باغی تھے، اور گرفتار ہو گئے تھے، ہارون نے قید کرنے کے لئے جعفر کے حوالہ کیا، اس نے چھوڑ دیا، جعفر کے ایک درباری حریف فضل بن ربیع نے ہارون کو اسکی

خبر کر دی، اوس نے دوسرے دن جعفر سے پوچھا یحییٰ کہاں ہیں، اوس نے کہا قید خانہ میں، ہارون نے کہا سچ کہتے ہو، اس مکرر سوال پر جعفر تاڑ گیا، اوس نے بات بنائی کہ وہ امیر المومنین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، اس لئے میں نے ان کو چھوڑ دیا، اس واقعہ نے ہارون کو جعفر سے اور زیادہ برگشتہ کر دیا، اور اس نے اس کے قتل کا تہیہ کر لیا، (طبری ج ۱۱ ص ۶۷۰)

یہ تھے وہ اسباب جنھوں نے ہارون کو جعفر سے اور زیادہ برگشتہ کر دیا، اور اس نے برامکہ کا خاتمہ کرا دیا ہارون کا یہ انتقام کسی حیثیت سے بھی مستحسن نہیں قرار دیا جا سکتا، اس کے لکھنے کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ مصنف کا یہ گمان غلط ہے کہ برامکہ کی تباہی کا سبب ان کی ہر دلعزیزی اور ان سے ہارون کا حسد تھا، جعفر اور عباسہ کے نکاح کا واقعہ بالکل افسانہ ہے، اسکو جرجی زیدان نے عباسی خلفاء کو بدنام کرنے کے لئے زیادہ اچھالا ہے، لائق مولف بے سمجھے بوجھے اس کے ہمنوا بن گئے، اس کی تردید میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، خود مولوی عبد الرزاق صاحب نے بھی جن کی کتاب سے مصنف نے جا بجا استشہاد کیا ہے، اس واقعہ کی پوری تردید کی ہے، قدیم مورخین میں طبری کے علاوہ کسی نے بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے، معارف ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ کتاب الوزراء محمد بن عبدوس جہشیاری، اخبار الطوال دینوری المتوفی ۲۸۱ھ تاریخ یعقوبی ابن واضح کاتب عباسی کسی میں بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے، ابن قتیبہ زوال برامکہ کے کل چالیس برس بعد پیدا ہوا تھا، اس لئے اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا، تو اس کے علم میں ضرور ہوتا، مگر اس کی کتاب میں اس کا ذکر تک نہیں، ابن قتیبہ نے عباسی خاندان کے اکثر افراد کے حالات لکھے ہیں، مہدی کی اولاد کی تفصیل میں لکھتا ہے، کہ "ہارون نے عباسہ کی پہلی شادی محمد بن سلیمان عباسی سے کی تھی، اسکی موت کے بعد دوسرا نکاح ابراہیم بن صالح بن علی کے ساتھ کر دیا، (معارف ابن قتیبہ ص ۱۳۰) کتاب الوزراء خاص عباسی وزیروں کے حالات میں ہے، اور اس میں برامکہ کے حالات نہایت مفصل ہیں، لیکن جعفر اور عباسہ کے واقعہ کا کوئی ذکر نہیں، یعقوبی عباسی دربار کا کاتب تھا، اسکی کتاب میں بھی کوئی ذکر نہیں، غرض دولت عباسیہ سے متعلق مورخین نے اس واقعہ کا مطلق کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، سب سے اول طبری نے اوسکو لکھا ہے، اور

اسی سے بعد کے تمام مورخین نے نقل کیا ہے، گو طبری مستند ہے، لیکن اس کے متعلق یہ معلوم اور مسلم ہے، کہ وہ ہر قسم کی روایتیں بلا تنقید نقل کر دیتا ہے، یہ روایت بھی اسی قبیل کی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعد کے ناقد مورخین نے اوس کو لغو قرار دیا ہے، چنانچہ ابن خلدون اس کو بالکل غلط سمجھتا ہے، (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲)

روایتی حیثیت کے علاوہ عقلی اور درایتی حیثیت سے بھی یہ واقعہ بالکل بعید از قیاس ہے، اور اسکی صورت ہی اسکی تردید کے لئے کافی ہے، یہ مانا کہ ہارون کو عباسہ سے زیادہ محبت تھی لیکن یہ محبت کی کونسی قسم ہے، کہ بغیر دیکھے چند گھنٹے بھی چین نہ آئے، اور ایک غیور بھائی کو بر سر دربار بہن کو بٹھانے پر مجبور کر دے، یہ تو ایک ادنی غیور انسان بھی گوارا نہیں کر سکتا، نہ کہ ایک جلیل القدر فرمانروا، پھر دربار میں تنہا جعفر ہی نہیں، بلکہ اور ارکان سلطنت بھی ہوتے تھے، ان کے ساتھ یکجائی کے جواز کی ہارون نے کونسی صورت نکالی تھی، پھر عباسی خاندان کی شہزادیوں کی شادی تو ان عربی خاندانوں تک میں نہ ہوتی تھی جو بنی ہاشم کے ٹکر کے نہ تھے، نہ کہ عباسیوں کے پروردہ عجمی، غرض یہ واقعہ ہر اعتبار سے نہایت لغو ہے، لیکن لائق مصنف کو روایت و درایت پر غور کرنے سے کیا کام، ان کو تو خلفاء کو بدنام کرنے کے لئے مواد چاہئے، خواہ وہ فاسد ہی کیوں نہ ہو،

مامون کے مظالم میں جس کی تعریف و توصیف میں مختلف مقاموں پر آسمان و زمین کے قلابے ملائے ہیں، یہ واقعہ لکھا ہے:

"جب مامون الرشید نے امین پر فتح پائی، اور اس کا سر کاٹ کر طاہر نے اس کے دربار میں بھیجا، تو مامون نے کئی دن تک جس طرح جشن منایا، وہ تاریخ کا عبرتناک واقعہ ہے، غریب امین نے ہر چند جلاد سے کہا کہ میں رسول کا چچا زاد بھائی ہارون کا لڑکا اور مامون کا بھائی ہوں، میرا خون حلال نہیں، مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی،"

مصنف کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ مامون کے حکم سے امین کا سر کاٹا گیا تھا، اور امین ہر چند فریاد کرتا رہا، لیکن اوس نے کوئی شنوائی نہیں کی، حالانکہ مامون اس بارہ میں بالکل بے قصور ہے، واقعہ

کی صورت یہ ہے، کہ نہ صرف مامون کے مقابلہ مین امین مین حکومت وجہانبانی کی صلاحیت نہ تھی، بلکہ وہ بالکل نا اہل تھا، لیکن امین کی مان زبیدہ کی محبت سے مجبور ہوکر ہارون نے امین کو ولیعہد بنادیا، لیکن مامون کو بھی محروم نہین کیا، اور اوس کو خراسان کا مستقل فرمانروا بنادیا، اور علٰحدہ فوج اور خزانہ دیکر اس کی تحریری دستاویز خانۂ کعبہ مین محفوظ کرادی، لیکن امین نے باپ کی وصیت کی کوئی پرواہ نہ کی، اور ہارون کی آنکھ بند ہوتے ہی مامون کو خراسان کی حکومت سے محروم کرنا چاہا، اور اس کو مع فوج اور خزانہ کے بغداد حاضر ہونے کا حکم دیا، ظاہر ہے کہ مامون اس حکم کی تعمیل نہین کرسکتا تھا، اس لئے امین نے فوج کشی کر دی، اور اس کی مان زبیدہ نے مامون کے احترام مین اس کو قید کرنے کے لئے چاندی کی زنجیر ساتھ لی، ناچار مامون کو بھی مقابلہ کرنا پڑا، اور اس کی جانب سے امیر طاہر بن عبد اللہ اور حسن بن سہل امین کی فوج کے مقابلہ مین آئے، امین مین خود کوئی صلاحیت نہ تھی، وہ ہر وقت بھانڈون اور مسخرون مین گھرا رہتا تھا، اس لئے کئی خونریز معرکون کے بعد اسکی فوج کو شکست ہوئی اور بغداد پر مامون کا قبضہ ہوگیا اور طاہر کے آدمیون نے امین کو گرفتار کرکے قتل کر دیا، مامون کو اسکے قتل سے کوئی تعلق نہین، وہ خود مقابلہ مین بھی نہ آیا تھا، بلکہ خراسان ہی مین رہا، اسکی جانب سے امیر طاہر اور حسن بن سہل اور دوسرے ارکان سلطنت مقابلہ مین تھے، انہی نے امین کو قتل کیا تھا، یہ بھی غلط ہے کہ امین کے قتل پر مامون نے جشن منایا، اسکے برعکس مامون کو ہمیشہ امین کی بے کسی کی موت کا غم رہا، اور طاہر کو دیکھ کر اس کا غم تازہ ہوجاتا تھا، گو طاہر نے مامون کی حمایت مین قتل کیا تھا، لیکن برادرانہ محبت کے جوش مین اسکو طاہر سے کدورت پیدا ہوگئی تھی، اور طاہر کو اس کے خوف سے بغداد چھوڑ دینا پڑا، اسکی تفصیل یہ ہے، کہ مامون کو امین کے قتل کا بڑا غم تھا، اور اس واقعہ کے بعد سے اکثر وہ خاموش اور متفکر رہا کرتا تھا، بعض امرا نے اس کا سبب دریافت کرنے کی کوشش کی، مگر مامون نے اس راز کو فاش نہ کیا، پھر کچھ دنون کے بعد اپنے ایک ندیم خاص کے اصرار پر بتایا کہ جب مین طاہر کو دیکھتا ہون تو بھائی امین کی بیکسی کی موت کا نقشہ آنکھون کے سامنے آجاتا ہے، طبیعت بے اختیار بھر آتی ہے، اور بغیر آنسو بہائے تسکین نہیں ہوتی، مجھکو خطرہ ہے کہ طاہر کو میرے ہاتھون سے نقصان پہنچ جائے گا، طاہر کو اس کی

خبر ہوئی، تو وہ بہت خوفزدہ ہوا، اور بڑی کوششون اور تدبیرون سے خراسان کی حکومت کا پروانہ حاصل کرکے مامون کی نگاہون سے دور چلا گیا، (تفصیل کے لئے دیکھو ابن اثیر ج ۶ ص ۱۲۳) یہ ہے واقعہ کی اصل شکل جسے مصنف کے مجمل بیان نے اتنا مکروہ بنا دیا ہے،

اس کے بعد دولت عباسیہ کے دور زوال پر تبصرہ ہے، اور اُمرا کے تسلط آزاد حکومتون کے قیام بنی بویہ کے اقتدار اور سلجوقیون کے تسلط کے حالات ہین، یہ حالات بڑی حد تک صحیح ہین، لیکن مصنف نے سلجوقیون کے بارہ مین بڑی بے انصافی سے کام لیا ہے، اور ان کی تصویر کا صرف ایک ہی رُخ دکھایا ہے، لکھتے ہین :-

"سلجوقیون نے خلافت بغداد پر قبضہ کرکے دین وسیاست مین تفریق پیدا کر دی، اُن سے پہلے خلیفہ ہی دین وسیاست کا مرکز تھا، تمام حدودِ مملکت مین اسی کے احکام نافذ ہوتے تھے، ..... سلجوقیون کے قبضہ کے بعد خلافت کی جو کچھ حیثیت باقی تھی، وہ بھی ختم ہوگئی، اصل حکومت سلطان کے ہاتھون مین منتقل ہوگئی، خلیفہ کو چند معمولی اختیارات دیدیئے گئے، وہ بھی شہر بغداد کے اندر ہی محدود تھے، .... اس دوعملی نظام حکومت نے اسلامی سیاست کو آگے چل کر بہت نقصان پہنچایا، دین و سیاست کی تقسیم ہوجانے سے مذہبِ اسلام صرف چند عقائد کا نام رہ گیا، اور سیاست جو مذہب اسلام کا خاص جزء تھا، دنیا دارون کے ساتھ مخصوص ہوگئی، (ص ۱۱۰ و ۱۱۱ ملخصاً)"

معلوم ہوتا ہے مصنف نے قسم کھالی ہے کہ وہ تمام اسلامی فرمانرواؤن کو خواہ ان کی خدمات کیسی ہی کیون نہ ہون بغیر بدنام کئے نہ چھوڑین گے، اس لئے وہ ان کے انہی پہلوؤن کو جن سے ان کے گمان مین ان کے مدعا کی تائید ہوتی ہے، انتہائی بدنما شکل میں پیش کرتے ہین، سلجوقیون کے متعلق یہ کہنا کہ ان سے اسلامی سیاست کو نقصان پہنچا تاریخ اسلام سے بے خبری کا ثبوت ہے، انھون نے اسلامی سیاست کی گرتی ہوئی عمارت سنبھال لی، یہ صحیح ہے کہ انھون نے بلکہ خود خلیفہ قائم نے حالات سے مجبور ہوکر سلطنت کے تمام اختیارات خود طغرل بک کے حوالہ کر دیئے، لیکن اس وقت حالات ایسے تھے کہ اس کے علاوہ اسلامی سیاست کو بچانے کی کوئی

صورت ہی نہ تھی، اس زمانہ مین نہ صرف دولت عباسیہ کی حالت زبون تھی، بلکہ ساری دنیاے اسلام پُر آشوب ہو رہی تھی، خلافت بغداد پر بنی بویہ کا شیعی خاندان قابض تھا، اس کو عباسی خلفا سے کوئی ہمدردی نہ تھی، لیکن چونکہ عباسی حکومت سُنّی تھی، اور اس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، اور بنی بویہ شیعہ تھے، اس لئے وہ اس کے ظاہری احترام کو ہاتھ نہین لگا سکتے تھے، ورنہ ساری دنیاے اسلام ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی، اس لئے انھون نے خلافت کا ظاہری ٹھاٹھ قائم رکھا تھا، لیکن ان کے مقابلہ مین خلفاء کی بے بسی کا جو حال تھا، اس کا اعتراف خود مصنف کو بھی ہے، کہ

بنی بویہ نے ایک سو دینار روزانہ خلیفہ مطیع کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا، آل بویہ حقیقت مین بادشاہ تھے اور تمام سیاہ و سفید کے مالک تھے، یہ شیعہ تھے، لیکن مصلحۃً سُنّی خلفاء کی اطاعت اعلان کر رکھا تھا..... اس سے بھی بڑھکر یہ کہ عزالدولہ نے مطیع پر ٹیکس لگا دیا، حالانکہ اس کو کل ایک صد دینار وظیفہ ملتا تھا، مطیع نے کہا کہ میرے واسطے خطبہ کے سوا کیا رہ گیا ہے، اگر تم یہی چاہتے ہو تو مین اس کو بھی چھوڑ کر علٰحدہ ہو جاؤن، مگر جب معزالدولہ نے اس پر سختی کی تو مطیع نے اپنا اثاث البیت چار لاکھ درہم مین بیچ کر ٹیکس ادا کیا، (ص ۱۱۳)

یہ تھا خلفاء کی بے بسی کا حال ان آل بویہ کے زمانہ مین جن کے دور مین بقول مصنف "خلیفہ ہی دین و سیاست کا مرکز تھا، اور تمام حدود مملکت مین اسی کے احکام نافذ ہوتے تھے" بنی بویہ نے اسی پر بس نہین کیا، بلکہ خاص پایۂ تخت بغداد مین شیعیت کو پوری قوت کے ساتھ فروغ دیا، اور جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے:

"مسجدون کے دروازون پر صحابۂ کرام پر تبرا لکھنے کا حکم دیا، عاشورہ کے دن تمام کاروبار بند کر کے عام ماتم کا حکم دیا، اور بغداد مین عید غدیر دھوم دھام سے منائی گئی (ص ۱۳)

ان کی شیعیت نوازی کی وجہ سے شیعون اور سنیون مین بڑے بڑے ہنگامے ہوئے، بنی بویہ کے آخری

دور مین ان کے ایک پروردہ امیر بساسیری نے اپنا تسلط جما لیا، یہ اپنے آقاؤن سے بھی زیادہ متعصب تھا، اس نے سُنّیون کے ساتھ بڑی زیادتیان کین، اس کی قوت اتنی بڑھ گئی، کہ اوس نے خلیفہ قائم کو شکست دے کر گرفتار کر لیا، اور خلافت بغداد کو ختم کر کے یہان فاطمی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی، (تفصیل کے لئے دیکھو طبری و ابن اثیر وغیرہ)

یہ وہ زمانہ تھا جب سلجوقیون کی قوت نئی نئی اُبھر رہی تھی، طغرل بک وسط ایشیاء کا بڑا حصہ فتح کر چکا تھا، لیکن خلافت بغداد نے ابھی اس کو سندِ حکومت عطا نہین کی تھی، جس کے بغیر کوئی حکومت باقاعدہ تسلیم نہ کیجاتی تھی، اس لئے اس کو اس سے تعلق پیدا کرنے کی ضرورت تھی، دوسری طرف خود قائم بامراللہ کو بنی بویہ کے پنجہ سے رہائی حاصل کرنے کے لئے کسی بیرونی طاقت کے سہارے کی ضرورت تھی، سلجوقی سُنّی تھے، اس لئے اونھون نے اپنی خدمات پیش کین، قائم نے اسے قبول کر لیا، اور طغرل بک کو سندِ حکومت عطا کر کے اسے باضابطہ سلطان تسلیم کر لیا، اور اس نے بغداد پر فوجکشی کر کے بنی بویہ کے آخری فرمانروا الملک الرحیم اور امیر بساسیری کو شکست دے کر بنی بویہ کا خاتمہ کر کے قائم کو اس کے پنجہ سے چھڑا لیا،

اس زمانہ مین عباسی خلفاء مین کوئی دم نہین رہ گیا تھا، ان کی حیثیت اس بے پر و بال طائر کی جیسی ہو گئی تھی کہ اگر اس کو تنہا چھوڑ دیا جائے تو کوئی نہ کوئی شکاری پرندہ اسے جھپٹ لے، وہ خود اپنی حفاظت نہین کر سکتے تھے، اس لئے قائم نے طغرل بک کو حکومت کی سند کے ساتھ خلافت بغداد کا متولی بھی بنا دیا، اس وقت سے خلافت کا سارا عملی نظام سلجوقیون کے ہاتھون مین آگیا،

یہ تو خلافت بغداد کے ساتھ سلجوقیون کی سرگذشت تھی، دنیاے اسلام کی حالت بھی اس سے کچھ بہتر نہ تھی، سارے وسط ایشیا مین چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم تھین، جو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار رہتی تھین، اس سے مسلمانون کی قوت پارہ پارہ ہو رہی تھی، اور سرحد کی غیر مسلم حکومتین برابر ان کو دباتی چلی آتی تھین، مصر مین فاطمی حکومت کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی، یہان بھی وہی امراء گردی تھی، شام کے علاقے

آزاد ہوچکے تھے، دربار میں خودغرض امرا کا تسلط تھا، باطنی تحریک نے علٰحدہ مسلمانون پر آفت ڈھا رکھی تھی، اور دن دھاڑے بڑے بڑے لوگ قتل کر دیئے جاتے تھے، گو یہ تحریک فاطمیون کے نام پر تھی، لیکن درحقیقت اس مین بھی مسلمانون کے خلاف عجمی انتقام کا جذبہ کارفرما تھا، غرض مختلف حیثیتون سے ساری دنیاے اسلام پر آشوب ہو رہی تھی، اس نازک دور مین تنہا سلجوقیون نے ان تمام مخالف حالت کا مقابلہ کیا، اتفاق سے طغرل بک کے بعد اسی زور و قوت اور شان و شکوہ کے دو فرمانروا الپ ارسلان اور ملک شاہ یکے بعد دیگرے تخت سلطنت پر بیٹھے، الپ ارسلان نے وسط ایشیا کی تمام چھوٹی چھوٹی ریاستون اور شام کی نیم آزاد حکومتون کو ختم کرکے چین کی سرحد سے لیکر مغرب کے علاقہ تک زیرنگین کر لیا، گرجستان اور ایشیاے کوچک کو فتح کرکے مغربی رومی سرحد کو محفوظ کیا، قیصر روم کو شکست دے کر باجگذار بنایا، چین پر فوجکشی کرکے خاقان چین سے خراج وصول کیا، غرض مشرق سے لے کر مغرب تک نہایت طاقتور متحدہ حکومت قائم کر دی، الپ ارسلان کے بعد ملک شاہ نے اس عمارت کو اور زیادہ مستحکم کیا، اس کے دور مین علمی اور تمدنی حیثیت سے سلجوقی حکومت کو بڑی ترقی ہوئی، بغداد کا مشہور مدرسۂ نظامیہ قائم ہوا جو صدیون تک مسلمانون کے دل و دماغ کی آبیاری کرتا رہا جس سے بڑے بڑے جلیل القدر علما اور ائمہ پیدا ہوئے، اور سیاست کے ساتھ تمدن مین بھی سلجوقی حکومت عباسی حکومت کی جانشین ہوگئی، اسی زمانہ مین باطنی تحریک نے زور پکڑا، اور اس کے ہاتھون دنیاے اسلام مین آفت بپا ہوگئی، بڑے بڑے لوگ دن دھاڑے قتل کئے جانے لگے، ملک شاہ اور اس کے جانشینون نے اس تحریک کے استیصال کی پوری کوشش کی، گو وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکے لیکن ان کا زور برابر توڑتے رہے، ورنہ ان کے ہاتھون دنیاے اسلام معلوم نہیں کس نوبت کو پہنچ جاتی،

سلجوقیون ہی کے زمانہ مین صلیبی لڑائیون کا آغاز ہوا، اور عیسائی دنیا نے متحد ہوکر اسلام اور مسلمانون کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، اس وقت ایران کی سلجوقی حکومت کمزور پڑ چکی تھی، اور ملک شاہ کے جانشین خانہ جنگی مین مبتلا تھے، لیکن شام، ایشیاے کوچک اور دیار بکر وغیرہ مین اس خاندان کی دوسری شاخون کی

حکومت قائم ہوچکی تھی، جو ابھی تازہ دم اور ترقی پذیر تھیں، ایشیاے کوچک مین قتلمش بن اسرائیل سلجوقی نے حکومت قائم کی تھی، حلب اور دمشق مین ملک شاہ کے بھائی تتش بن ارسلان نے، ماردین اور دیار بکر مین ملک شاہ کے غلام ارتق بن ارسک نے بعد مین جزیرہ اور شام مین ملک شاہ کے دوسرے غلام عمادالدین زنگی نے حکومت کی بنیاد ڈالی، غرض ایران کے سلاجقہ کے زوال کے بعد انکے خاندان کے افراد اور انکے غلامون نے انکی جگہ لیلی تھی، اور جنگ صلیبی کے پورے محاذ مین ایشیاے کوچک سے لے کر شام تک ان کی حکومتین قائم تھیں، ابتدائی صلیبی لڑائیون مین یہی حکومتین خصوصاً جزیرہ اور شام کا اتابکی خاندان سینہ سپر ہوا، ابتدائی صلیبی لڑائیون مین عمادالدین زنگی اور نورالدین محمود زنگی نے وہی کارنامہ انجام دیا، جو آخری لڑائیون مین صلاح الدین ایوبی نے انجام دیا تھا، اگر اس وقت یہ خانوادے صلیبیون کا مقابلہ نہ کرتے، تو وہ نہ صرف شام بلکہ ساری دنیاے اسلام کو زیر و زبر کر ڈالتے، ایوبی خاندان جس نے سب سے آخر میں صلیبیون کا مقابلہ کیا، سلجوقیون کے پروردہ اتابکیون کا ساختہ و پرداختہ تھا، اس لئے صلیبی لڑائیون مین کامیابیون کا سہرا شروع سے آخر تک اسی خاندان یا اس کے وابستگانِ دولت کے سر ہے،

سلجوقیون کے کارنامون کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس مضمون مین اس کی ہلکی سی جھلک بھی نہین دکھائی جاسکتی، درحقیقت تاریخ اسلام مین ایسے نامور خانوادون کی مثالین کم ہین، جن کے کارنامے اتنے گوناگون ہون، انھون نے بنی عباس کے زوال کے بعد مسلمانون کی گرتی ہوئی عمارت سنبھال لی، لیکن ہمارے لائق مصنف کو ان کی ساری تاریخ مین انکی ملوکیت اور دین و سیاست کی تقسیم کی معصیت کے علاوہ ان کی اور کوئی خوبی نہ مل سکی،

"انھین لے دے کے ساری داستان مین یاد ہے اتنا"
کہ سلجوقی خلافت کش تھے جابر تھے ستمگر تھے

مصنف کا یہ خیال صحیح ہے، کہ مسلمانون مین سلطان کی نیابتِ الٰہی کا تصور عجمیت کا نتیجہ ہے، لیکن یہ

غلط ہے، کہ دین و سیاست کی تقسیم بیو دیون کے اثر سے پیدا ہوئی، درحقیقت یہ کسی بیرونی اثر سے نہین پیدا ہوئی بلکہ سیاسی زوال کا ایک قدرتی نتیجہ ہے، عباسیون کے زوال کے بعد جب خلفا مین کوئی دم باقی نہ رہ گیا، اور مسلمانون مین نئی نئی طاقتین ابھرین تو ان مین سے بعض جیسے بنی بویہ یا آخر مین سلجوقی خلافت بغداد پر حاوی ہوگئے، ان سے اس اخلاص کی توقع رکھنا عبث ہے، کہ وہ محض ایک خادم کی طرح اپنے خون سے عباسی خلافت کی مردہ رگون مین زندگی پیدا کرتے اور اسکے سوا خلافت سے اور کوئی واسطہ نہ رکھتے، پھر خود خلفا میں کوئی جان باقی نہ تھی، وہ بغیر ان کے سہارے کے خلافت کو نہیں سنبھال سکتے تھے، اس لئے اونھون نے خود اپنے تمام اختیارات سلاجقہ کے حوالہ کردیئے اور سلاجقہ نے ان کی دینی حیثیت کو برقرار رکھا، اس طرح دین و سیاست میں قدرۃً تقسیم پیدا ہوگئی، اس میں کسی بیرونی اثر کو کوئی دخل نہیں ہے،

(باقی)

خط و کتابت

کیلئے

ضروری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اور ان کے متعلق جملہ خط و کتابت شخصی نام کے بجائے صرف اڈیٹر معارف کے پتہ سے، اور معارف اور دارالمصنفین کے انتظامات اور فرمائشات کے متعلق منیجر صاحب دارالمصنفین کے نام سے کیجائے، ان تمام امور کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعمیل مین دقت ہوتی ہے امید ہے کہ احباب مجھے زحمت سے بچانے کیلئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائین گے،

سید سلیمان ندوی

امام ابوالحسن اشعری

از

جناب مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دارالمصنفین

جس طرح مذہب اسلام کے فروعی مسائل کو دلائل شرعیہ کے ذریعہ مرتب اور مدون کیا گیا ہے، اور اس سلسلہ کے جلیل القدر ائمہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ مین سے کسی ایک نہ ایک کی عموماً تقلید کیجاتی ہے، اسی طرح مذہب اسلام کے اعتقادی امور کو بھی مدوّن کیا گیا ہے، اور اس فن کے جو جلیل القدر ائمہ گذرے ہین، ان کی طرف بھی لوگ اپنا انتساب کرتے ہین، اشاعرہ، ماتریدیہ، محدثین، یہ اہلسنت والجماعۃ مین سے اس سلسلہ کی تین اہم شاخین ہین، ہرچند کہ ان تینون فرقون مین کوئی بنیادی اور اصولی اختلاف نہین ہے، تاہم اسلام کی طرف سے دفاع کے طریقون مین کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے، اشاعرہ کا انتساب امام ابوالحسن اشعری کی طرف ہے، جن کو تیسری صدی ہجری کا مجدد کہا گیا ہے[1] اس مضمون مین انہی کے حالات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

وطن اصلی اور نام و نسب امام ابوالحسن اشعری کا اصلی وطن یمن ہے، اور یمن کے مشہور قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے ہین، علی نام اور ابوالحسن کنیت ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی اولاد مین ہین، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے چار صاحبزادے تھے، ان مین سے ایک کا نام ابوبردہ تھا، یہی امام ابوالحسن اشعری کے اجداد مین ہین،[2] نسب نامہ یہ ہے :-

---

[1] مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۳۰۳ [2] تہذیب الاسماء نووی ج ۲ ص ۱۷۹،

علی بن اسماعیل بن ابی بشر (اسحاق) بن سالم بن اسماعیل بن عبد اللہ بن موسیٰ بن بلال بن ابی

بردہ بن ابی موسیٰ الاشعریؓ،[۱]

پیدایش امام موصوف بصرہ میں پیدا ہوئے، سال پیدایش میں کسی قدر اختلاف ہے، مورخ خطیب[۲] امام سبکی[۳] اور ابن عساکر نے ۲۶۰ھ[۴] لکھا ہے، لیکن ابن خلکان نے ۲۶۶ھ تا ۲۷۰ھ تبلایا ہے،[۵] سنہ مسیحی کے اعتبار سے سال پیدایش ۸۷۳ء یا ۸۷۴ء ہے،[۶]

بصرہ کا تعلق حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ یمن سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے تھے، پھر حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں بصرہ کے والی بنا کر بھیجے گئے،[۷] اس طرح امام اشعری کے خاندان کا تعلق بصرہ سے پیدا ہوا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے صاحبزادے حضرت ابو بردہؓ کی پیدایش بصرہ ہی میں ہوئی، یہ کوفہ کے قاضی بھی رہے تھے[۸] حضرت ابو بردہؓ کے صاحبزادے بلال بھی بصرہ کے امیر اور قاضی تھے،[۹] الغرض امام ابو الحسن اشعری کے وقت تک یہ خاندان بصرہ میں موجود رہا، اور اس میں باوجاہت لوگ پیدا ہوتے رہے،[۱۰]

تعلیم و تربیت امام ابو الحسن اشعری کے والد اسماعیل بن اسحاق اہلسنت والجماعۃ میں سے تھے،[۱۱] لیکن وہ اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کا خود انتظام نہ کر سکے، اور ان کا انتقال ہو گیا، امام موصوف کی تعلیم و تربیت زیادہ تر امام معتزلہ ابو علی جبائی متوفی ۳۰۳ھ نے کی، مقریزی کا بیان ہے کہ اشعری جبائی کے ربیب تھے، اور اشعری کی ماں کا عقد ابو علی جبائی سے ہوا تھا،[۱۲]

دوسرے اساتذہ ابو علی جبائی کے سوا دوسرے جن اساتذہ سے امام ابو الحسن اشعری نے مختلف اوقات میں استفادہ کیا وہ یہ ہیں،

---

۱ خطیب ج ۱۱ ص ۳۴۶ ۲ ایضاً ۳ طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۴۶ ۴ تبیین کذب المفتری ص ۱۴۶، ۵ ج ۱ ص ۳۲۶ ۶ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۴۸۰ ۷ مہاجرین اول ص ۲۰۷ ۸ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۰ ۹ تہذیب ۱۰ تبیین کذب المفتری ص ۱۲۷ ۱۱ ایضاً ص ۳۵ ۱۲ مقریزی جلد ۴ ص ۱۸۶،

(۱) زکریا ساجی - امام ذہبی کہتے ہیں کہ امام اشعری نے اہل حدیث کا مسلک انہی سے حاصل کیا،[۱] ۳۰۷ھ میں بصرہ میں انتقال ہوا،[۲]

(۲) ابو خلیفہ جمحی - ۳۰۵ھ میں انتقال ہوا، بصرہ کے جلیل القدر محدث تھے،[۳]

(۳) محمد بن علی بن اسماعیل القفال - قفال تفسیر، حدیث، فقہ اور علم کلام وغیرہ کے جلیل القدر عالم تھے، امام اشعری نے ان سے فقہ حاصل کی اور انہوں نے اشعری سے علم کلام حاصل کیا، ۳۳۵ھ کے آخر میں وفات ہوئی[۴]

(۴) ابو اسحاق مروزی - ابو اسحاق مروزی اپنے وقت کے زبردست فقیہ اور تدریس و افتاء کے امام تھے، ۳۴۰ھ میں ان کا انتقال ہوا،[۵]

ان حضرات کے سوا سہل بن نوح، محمد بن یعقوب المقری، عبد الرحمن بن خلف الضبی سے بھی امام اشعری نے استفادہ کیا، اور اپنی تفسیر میں ان حضرات سے بکثرت نقل کیا،[۶]

امام ابو الحسن اشعری اور اعتزال امام اشعری کی تعلیم و تربیت جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، ابو علی جبائی کے یہاں ہوئی، ابو علی جبائی ابو الہذیل معتزلی کے بعد معتزلہ کے سب سے بڑے آدمی ہیں،[۷] اس ماحول نے امام اشعری کو بھی معتزلی بنا دیا، اور وہ تقریباً چالیس سال کی عمر تک اعتزال پر قائم رہے، یہاں تک کہ ان کا شمار ائمۂ معتزلہ میں ہونے لگا،[۸] ابو علی جبائی ان کو مجالس میں اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتے تھے،[۹] اسی زمانہ میں انہوں نے معتزلہ کے مذہب کی تصحیح میں ایک بہت بڑی کتاب لکھی،[۱۰] بعد کو اس کتاب کی تردید میں ایک جلیل القدر تصنیف کی، جس کا نام الجوابات فی الصفات عن مسائل اہل الزیغ والشبہات ہے،[۱۱]

---

۱ طبقات سبکی دوم ص ۲۲۶ ۲ شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۵۰ ۳ شذرات ج ۲ ص ۲۴۶ ۴ طبقات سبکی جلد ۲ ص ۱۰۸ ۵ ابن خلکان ج ۲ ص ۴ ۶ خطط مقریزی ج ۴ ص ۱۸۶ ۷ ذکر المعتزلہ لاحمد بن یحییٰ المرتضی ص ۴۵ ۸ رسائل ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۶۹، سبکی ج ۲ ص ۲۴۴ ۹ تبیین کذب المفتری ص ۹۱ ۱۰ تبیین ص ۴۰ ۱۱ ایضاً صفحہ ۱۳۱،

معتزلہ کے مذہب سے علحدگی

اگرچہ ابتدائی تعلیم و تربیت نے امام اشعری کو معتزلی بنا دیا تھا، لیکن ان کی طبع سلیم نے ان کو اعتزال پر قائم نہ رہنے دیا، اور آخر کار ایک جمعہ کو بصرہ کی جامع مسجد میں آکر بہ آواز بلند اعلان کر دیا، کہ جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے، اور جو نہیں جانتا ہے، میں اس کو بتلاتا ہون کہ مین فلان ابن فلان ہون، خلق قرآن میرا عقیدہ تھا، میرا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھیں نہین دیکھ سکتی ہین، مین سمجھتا تھا کہ افعال شر کا خالق خود بندہ ہے، لیکن مین اپنے ان عقائد سے توبہ کرتا ہون اور معتزلہ کے عقائد کی تردید کرتا ہون، یہ غالباً[1] سنہ ۳۰۰ھ کا واقعہ ہے[2]

امام اشعری اس اعلان سے پندرہ یوم پیشتر گھر مین بالکل گوشہ نشین ہو گئے تھے، غور و فکر اور ہدایت کیلئے دعا مین وقت گذارتے تھے، جب اعتزال سے علحدگی کا اعلان کیا تو اپنے کپڑے اتار کر پھینک دیئے، اور کہا کہ جس طرح مین اپنے یہ کپڑے اتارتا ہون، اسی طرح (معتزلہ کے) ان عقائد سے الگ ہوتا ہون، اس عرصہ مین انھون نے معتزلہ کی تردید مین جو کتابین لکھی تھین وہ بھی لوگون کو دین، ان کتابون مین سے دو کے نام یہ ہین:

(۱) کتاب اللمع (۲) کشف الاسرار و ہتک الاستار،

اہلسنت والجماعت نے ان کتابون کو ہاتھون ہاتھ لیا،[3]

مذہب اعتزال سے علحدگی کے اسباب

امام ابوالحسن اشعری کے ترکِ اعتزال کے متعلق مورخین نے ایک خواب کو مختلف طور سے بیان کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ امام اشعری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماہ رمضان کے اوائل مین خواب مین دیکھا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہین کہ جو مذاہب مجھ سے مروی ہین، ان کی حمایت کرو کیونکہ وہی حق ہین، دوسرے عشرہ اور تیسرے عشرۂ رمضان مین بھی اسی قسم کا خواب دیکھا،[4] گویا یہ خواب مذہب اعتزال سے بددلی اور علحدگی کا سبب بنا،

شہرستانی کا خیال ہے کہ ابو علی جبائی اور اشعری سے مسئلۂ صلاح واصلح مین اختلاف ہوا، اسی وجہ سے

[1] ابن خلکان جلد ۲ ص ۴۴۶ [2] تبیین کذب المفتری ص ۵۰ [3] تبیین ص ۳۹ [4] تبیین ص ۳۸ تا ص ۴۳،

انھون نے مسلکِ اعتزال کو ترک کر دیا،[1]

اس سلسلہ مین ایک اور روایت ابن عساکر نے ابو محمد الحسن بن محمد عسکری کے حوالہ سے نقل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اشعری ایک مناظرہ مین اپنے مخالف سے شکست کھا گئے، اور کوئی جواب نہ دیسکے، اسکے بعد انھون نے مذہب اعتزال سے توبہ کی،[2]

اسپٹا (Spitta) کا خیال ہے، کہ دراصل اشعری نے جب احادیث کا مطالعہ کیا، اس وقت ان پر روح اسلامی اور اعتزال مین جو تناقض ہے، اس کا انکشاف ہوا، اور یہ چیز اعتزال سے علحدگی کی اصل وجہ ہے،[3]

ہم سمجھتے ہین کہ یہ تمام بیانات ایک ہی سلسلہ مین آسکتے ہین، جس کی صورت یہ ہے کہ امام اشعری کے زمانۂ قیام بصرہ مین وہان بہت بڑے بڑے محدثین موجود تھے، جو عقیدہ کے لحاظ سے اثری اور سلفی تھے، منجملہ ان اکابر کے خود امام اشعری کے بعض اساتذہ جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، بصرہ مین موجود تھے، امام اشعری ان کے خیالات سے ضرور واقف ہون گے، اور انہی سے متاثر ہوتے ہون گے، غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ درس کے درمیان مین اپنے استاذ ابو علی جبائی سے ایسے سوالات کرتے، جن کا شافی جواب نہ پاتے، اور پریشان رہتے،[4] یقیناً اس حالت مین وہ بارگاہ الٰہی مین گریہ و زاری اور راہ حق کے لئے دعا کرتے ہون گے اسی سلسلہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب مین دیکھا،[5] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب مین دیکھنے اور آپ کے ارشادات کے سننے کے بعد انھون نے قرآن و حدیث کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا، اور ان پر اصل حقیقت منکشف ہو گئی،[6]

اعتزال کے بعد

امام اشعری نے جب اعتزال کو چھوڑا، تو امام طائفۂ کلابیہ ابو محمد عبداللہ بن سعید بن کُلاب متوفی سنہ ۲۴۰ھ کا طریقہ اختیار کیا،[7] انہی کے اصول پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی،[8] اور انہی کے طریقہ کو فروغ دیا،[9]

ابن کلاب کون تھے

ابن کُلّاب کا شمار مامون کے عہد کے متکلمین اہلسنت مین ہے،[10] یہ عقیدۃً سلفی تھے،

[1] شہرستانی ج ۱ ص ۱۱۱ [2] تبیین ص ۹۱ [3] دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۲ ص ۲۱۰ [4] تبیین ص ۳۸ [5] ایضاً ص ۳۹ [6] ایضاً ص ۴۱ [7] اجتماع الجیوش الاسلامیہ ابن قیم ص ۱۱۱ [8] مقریزی جلد ۴ ص ۱۸۶ [9] اجتماع الجیوش الاسلامیہ ص ۱۱۰ [10] اصول الدین ص ۳۰۹ عبدالقاہر بغدادی،

البتہ سلف کے عقائد کی حمایت مین علم کلام سے کام لیتے تھے،[1] حافظ ابن قیم نے ان کو ائمۂ علم کلام مین شمار کیا ہے،[2] شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی ابن کلاب کو ائمۂ صفاتیہ مین شمار کیا ہے، اور انکا نام ان بزرگون کے ضمن مین لیا ہے جو انکے نزدیک ائمۂ سلف کے مسلک کے مطابق تھے،[3] خود امام ابو الحسن اشعری نے کلابیہ کے جو عقائد بیان کئے ہین، ان کے متعلق شروع ہی مین کہہ دیا ہے، کہ جو کچھ ہم نے اہلسنت و الجماعۃ کے عقائد کے متعلق بیان کیا ہے، کلابیہ بھی زیادہ تر اسی کے معتقد ہین،[4] الغرض صرف بعض مسائل مین ان کو عام اہلسنت سے اختلاف تھا، ورنہ ان کا شمار ائمۂ اہلسنت و الجماعۃ مین سے ہے،[5]

غلط فہمی کا ازالہ ہم نے ابن کلاب کے مسلک کی توضیح اس لئے کر دی کہ اس سے پیشتر اپنے مضمون کلمۃ اللہ[6] مین ہم نے ان کو غلطی سے اہلسنت والجماعت سے الگ سمجھا تھا !

اس غلطی کی بنیاد ابن ندیم کا بیان ہے جس مین اوس نے کہا ہے کہ ابن کلاب کے اس قول کی بنا پر کہ کلام اللہ خود اللہ ہے، اس وقت کے علما ان کو نصرانی کہتے تھے،[7] لیکن ابن ندیم کا یہ بیان صحیح نہین ہے اسلئے کہ ابن کلاب کے متعلق سب سے زیادہ مستند بیان خود امام اشعری کا ہے، وہ کہتے ہین، کہ ابن کلاب کہتے تھے، کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے،[8] البتہ ان کا یہ خیال ضرور تھا کہ کلام نفسی چونکہ قدیم ہے، اور امر و نہی وغیرہ حادث ہین، اس لئے ازل مین ان عنوانات کا انتساب کلام الٰہی سے نہین ہو سکتا ہے،[9]

ابن ندیم کا مذہب اصل یہ ہے کہ ابن ندیم معتزلی ہے، فہرست کی ایک عبارت کی بنا پر حضرت الاستاذ علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ کا یہی خیال تھا، لیکن ہماری حیرت اور مسرت کی انتہا نہ رہی، جب ہم نے علامہ سبکی کو بھی اس خیال کا مؤید پایا، ان کے الفاظ یہ ہین :

---

[1] سفینۃ الراغب ص ۱۴۲، [2] اجتماع الجیوش الاسلامیہ ص ۱۱۱ [3] شرح عقیدۂ اصفہانیہ ص ۸ [4] مقالات الاسلامیین جلد ا ص ۲۹۰ [5] سبکی جلد ۲ ص ۵۱ [6] معارف اپریل ۱۹۴۲ء [7] فہرست ابن ندیم ص ۲۵۵ [8] مقالات الاسلامیین جلد ا ص ۲۹۰ [9] سبکی جلد ۲ ص ۵۱،

وَاَمَّا محمد بن اسحاق الندیم فقد کان فیما احسب معتزلیًا،[1]	میرے خیال مین ابن ندیم معتزلی ہے

اور معتزلہ کے نزدیک اثبات صفات نصرانیت کے مرادف ہے، سبکی کہتے ہین کہ ابن کلاب کو نصرانی کہہ دینا کوئی خاص بات نہین ہے، معتزلہ عموماً ائمۂ صفاتیہ کو نصاری کہتے ہین،[2] شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہین، کہ ابن کلاب صاحب علم و دین تھے، معتزلہ کا رد کرتے تھے، ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ نصاری کے دین کو مسلمانون مین پھیلانا چاہتے تھے، یہ سب معتزلہ اور جہمیہ کا افترا، اور بہتان ہے، ان کا تو خیال ہی یہ ہے، کہ جو صفات باری تعالیٰ کو ثابت کرتا ہے، وہ نصرانیون کی تائید کرتا ہے،[3]

الغرض امام اشعری نے انہی ابن کلاب کے طریقہ پر اپنے علم کلام کی بنیاد رکھ کر اسلام کی جانب سے دفاع شروع کیا، اور اصل عقائد مین ان کو محدثین ہی کے مسلک سے طمانیت و تشفی حاصل ہوئی، اس کی کسی قدر تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی، اس موقع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے صرف یہ الفاظ سن لینا چاہئے،

لمّا رجع الاشعری من مذهب المعتزلة	جب امام اشعری نے مذہب معتزلہ سے
سلك طريق ابن كلاب ومال فی	رجوع کیا تو ابن کلاب کا طریقہ اختیار کیا
اهل السّنة والحديث وانتسب	اور اہلسنت اور محدثین کی طرف متوجہ ہوئے
الی الامام احمد كما قد ذكر ذالك	اور امام احمد کی طرف منسوب ہوئے جیسا کہ
فی كتبه كلها كالابانة والموجز	خود اپنی کتابون مین مثلاً ابانہ، موجز اور
والمقالات وغيرها،[4]	مقالات وغیرہ مین اونھون نے لکھا ہے،

بصرہ کا قیام اور اعلاء کلمۃ الحق امام ابو الحسن اشعری نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ بصرہ ہی مین گذارا،[5] اور یہان

---

[1] سبکی ج ۲ ص ۵۱ [2] سبکی ج ۲ ص ۵۲ [3] شرح حدیث النزول ص ۲۰۲ [4] اجتماع الجیوش الاسلامیہ ص ۱۱۱ [5] المنتظم لابن جوزی ج ۶ ص ۳۳۲،

پوری عالمانہ شان کے ساتھ مسلک اہلسُنّت والجماعۃ کی تائید شروع کی، بڑے بڑے مناظرے ہوئے، اور دور دور ان کا شہرہ ہوا، لوگ بہت ہی والہانہ انداز مین ان کی محفلون مین شریک ہونے لگے، نامناسب نہ ہوگا اگر اس موقع پر شیخ وقت محمد بن خفیف شیرازی کی اس عبارت کو نقل کیا جائے، جس مین اونھون نے امام اشعری کے پاس اپنے آنے کا حال خود بتلایا ہے، یہ امام ابوالحسن اشعری کی شہرت علم وعمل سُن کر شیراز سے بصرہ آئے تھے، امام موصوف سے شرف تلمذ حاصل کیا، اور ایسے جلیل القدر شاگرد ہوئے، کہ بڑے بڑے اشعریین کے استاذ بنے[1]، مندرجۂ ذیل عبارت کو علامہ سبکی نے غایۃ المرام فی علم الکلام کے حوالہ سے طبقات مین نقل کیا ہے[2]، اس عبارت سے جو ذوق وشوق نمایان ہے، اور امام اشعری کی جو عظمت محمد بن خفیف کے قلب پر ظاہر ہوتی ہے، اردو میں اسکا منتقل کرنا مشکل ہے،

دعانی ادب وحب ادب ولوع الب
وشوق غلب وطلب یامن لہ طلب
ان احرك نحو البصرۃ دکانی فی عنفوان
شبابی لکثرۃ ما بلغنی علی لسان الذی
والحضری من فضائل شیخنا ابی الحسن
الاشعری لاستعد بلقاء ذالك التوحید
واستفید مما فتح اللہ تعالی من ینابیع
التوحید اذحاز فی ذالك الفن قصب
السباق وکان من یشار الیہ بالاصابع
فی الآفاق وفاق الفضلاء من ابناء زمانہ
واشتاق العلماء الی استماع بیانہ،

شیخ ابوالحسن اشعری کے فضائل ومناقب
کا حال جس کو کثرت سے مین نے ہر خاص وعام
سے سُنا، اور مجھ پر طلب وشوق کا غلبہ ہوا
اوس نے مجبور کیا کہ اپنی نوعمری مین بصرہ
جاؤن، اور اس یگانۂ روزگار کے ان علوم
توحید سے نفع اٹھاؤن، جن کو اللہ نے اسکے
ظاہر فرمایا ہے، وہ اس فن مین اپنے تمام
ہم عصرون سے آگے نکل گئے، اور اہل علم ان
کے بیان سننے کے مشتاق رہتے ہین،

[1] سبکی ج ۲ ص ۱۵۱ [2] [illegible] ص ۱۵۶،

بغداد کا سفر اور قیام

امام ابوالحسن اشعری جب بصرہ مین دین کی کافی خدمت کر چکے اور یہان معتزلہ وغیرہ کا زور کم ہوا، تو بغداد آئے[1]، پھر بغداد ہی مین آخر عمر تک قیام رہا، امام موصوف بصرہ سے بغداد کب گئے، اور جانے کے واقعی اسباب کیا پیش آئے؟ اس کے متعلق کوئی واضح بات نہین معلوم ہو سکی، لیکن قطع نظر اس سے کہ بغداد جیسے مرکزی مقام پر دین کی واقعی اور بڑی خدمت ہو سکتی تھی، ہمارے خیال مین اس ترکِ وطن کا باعث وہ پے در پے فتنے بھی ہو سکتے ہین، جو قرامطہ کی وجہ سے بار بار بصرہ مین اٹھا کرتے تھے، جن کی وجہ سے دین کی خدمت بجالانا تو درکنار مطمئن زندگی گزارنا تک مشکل ہو گیا تھا، عباسی عہد کی ان بغاوتون اور جنگون کی وجہ سے بصرہ بالکل تباہ ہو رہا تھا،

امام اشعری کے زمانۂ پیدایش کے قریب صاحب الزنج کی بغاوتون اور لوٹ مار نے بصرہ کو تباہ کر دیا تھا، اس کے بعد قرامطہ نے سر اوٹھایا اور ۲۸۶ھ سے لیکر بعد کو عرصۂ دراز تک اونھون نے فتنہ وفساد برپا کر رکھا تھا، ۳۱۱ھ/۹۲۳ء مین بصرہ کو قرامطہ نے گیارہ دن تک برابر لوٹا[2]، الغرض ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ امام اشعری نے انہی ہنگامون سے بچنے کے لئے اور اطمینان کے ساتھ دینی خدمت کرنے کے لئے بغداد کا سفر کیا، اور اوس کو اپنا وطن بنا لیا،

بغداد کے سوا دوسرے سفر

امام اشعری نے بصرہ سے بغداد تک کے سوا اور بھی کوئی سفر کیا یا نہین، یہ بات امام اشعری کے موافقین اور مخالفین کے درمیان مختلف فیہ ہے، مخالفین کہتے ہین کہ امام اشعری شہر بہ شہر اپنے خیالات کی تبلیغ کرتے پھرتے تھے، لیکن کوئی ان کی بات نہ سنتا تھا، یہانتک وہ احساء[3] مین بھی گئے[4]، اور احساء ہی مین ان کا انتقال ہوا[5]،

[1] تعلیق کوثری علی تبیین کذب المفتری ص ۳۹۲ [2] مختصر تاریخ البصرہ
[3] احساء بحرین مین قرامطہ کا ایک شہر تھا، تقویم البلدان ص ۹۹،
[4] تبیین کذب المفتری ص ۱۱۴ [5] تبیین ص ۱۲۲،

لیکن امام موصوف کے موافقین کا دعوی ہے کہ امام اشعری نے بصرہ سے بغداد کے سوا کوئی دوسرا سفر نہیں کیا،[۱]

ذریعۂ معاش امام اشعری کا ذریعۂ معاش دو چیزیں تھیں، ایک تو اس جائداد کی آمدنی جو بلال بن ابی بردہ نے اپنی اولاد پر وقف کی تھی،[۲] یہ موقوفہ جائداد ایک گاؤں تھا،[۳] دوسرے امام اشعری جڑی بوٹی کی تجارت بھی کرتے تھے،[۴] کسب معاش میں تقوی کی بنا پر وجہ کفاف پر قانع رہتے، اور شبہات سے بچتے تھے،[۵] سال بھر کا پورا خرچ سترہ درہم ہوتا تھا،[۶] مقریزی نے بھی سال بھر کا خرچ سترہ درہم ہی بتایا ہے، البتہ ابن خلکان نے خطیب کے حوالہ سے سترہ درہم روزانہ کا خرچ بتلایا ہے، لیکن خطیب کا موجودہ نسخہ سترہ درہم سالانہ ہی ظاہر کر رہا ہے، اور سبکی تو یہاں تک تفصیل بتلاتے ہیں، کہ ہر ماہ ایک درہم اور کچھ زائد کا خرچ تھا،

وفات بصرہ سے بغداد آنے کے بعد امام اشعری ہمہ تن علوم دینیہ کی اشاعت اور تصحیح عقائد میں مشغول ہوگئے، اور اپنی پوری زندگی اسی شغلہ میں گذار دی، بغداد ہی میں ناگہان ایک جلیل القدر شاگرد احمد بن زاہر سرخسی کے مکان میں انتقال ہوگیا،[۷] وفات ۳۲۰ھ سے لیکر ۳۳۰ھ کے درمیان کسی سال میں ہوئی، لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ ۳۲۴ھ میں وفات ہوئی،[۸] ۹۳۵ء

مشرع الزوایا میں دفن ہوئے،[۹] امام اشعری کے مخالف ابن جوزی ۵۹۷ھ اپنے زمانہ کے متعلق کہتے ہیں، کہ آج کل اشعری کی قبر مٹ گئی ہے، کوئی ادھر توجہ بھی نہیں کرتا ہے،[۱۰] ابن عساکر کا بیان ہے کہ بعض نادان حنابلہ نے بار بار امام موصوف کی قبر کے ساتھ بے حرمتی کا برتاؤ کیا اور ان میں سے بعض کو اسکی وجہ سے غیبی سزا بھی ملی،[۱۲]

ابن عساکر (۵۷۱ھ) بار با امام اشعری کی قبر پر گئے، ان کا بیان ہے، کہ امام موصوف کی قبر کے پاس ان کے تین رفقاء کی بھی قبریں ہیں، ایک قبر ابن مجاہد کی ہے، دوسری قبر ابو بکر ابن بنت ابی بکر بن فورک کی ہے، اور تیسری قبر

---

[۱] تبیین کذب المفتری ص ۱۱۱ و ۱۱۲ [۲] مقریزی ج ۴ صفحہ ۱۸۶ [۳] سبکی ج ۲ صفحہ ۲۴۸ [۴] سبکی ج ۲ صفحہ ۲۴۸ [۵] بحوالہ مذکور [۶] خطیب ج ۱۱ صفحہ ۳۴۶ [۷] ابن خلکان ج ۱ صفحہ ۳۲۶ [۸] الیواقیت والجواہر اول صفحہ ۲۴ [۹] تبیین صفحہ ۶ [۱۰] ر صفحہ ۶ [۱۱] المنتظم ج ۶ صفحہ ۳۳۲ [۱۲] تبیین صفحہ ۱۳۳۔

ابو عبداللہ محمد بن عتیق بن محمد متکلم قیروانی کی ہے،[۱] بعد کو ان کے مقام تدفین کا نام سیف التمن پڑ گیا،[۲]

امام اشعری کے متعلقین افسوس ہے کہ امام اشعری کے اہل وعیال اور دوست احباب کے متعلق ہم کو باوجود تلاش وتفحص کے کوئی بات نہیں معلوم ہو سکی، اور نہ ان کے روزمرہ کے مشاغل کا کوئی سُراغ لگ سکا! البتہ ان کے ایک خادم خاص بندار بن حسین شیرازی[۳] کا نام ضرور معلوم ہے، یہ خود شیخ وقت تھے، حضرت شبلیؒ ان کی بڑی عزت کرتے تھے،[۴]

امام اشعری کے تلامذہ جن لوگوں نے امام اشعری سے براہ راست استفادہ کیا، ان کی مجلسوں میں حاضر ہوئے ان میں سے چند حضرات کا نام درج ذیل ہے،[۵]

(۱) ابو عبداللہ بن مجاہد البصری (۲) ابو الحسن الباہلی بصری (۳) ابو الحسین بندار بن الحسین الشیرازی (۴) ابو بکر قفال الشاشی (۵) ابو سہل الصعلوکی نیشاپوری (۶) ابو زید مروزی (۷)، ابو عبداللہ بن خفیف شیرازی (۸) ابو بکر اسماعیلی (۹) ابو الحسن عبدالعزیز بن محمد اسحاق طبری (۱۰) ابو الحسن علی بن محمد بن مہدی طبری (۱۱) ابن فورک،

تبیین میں ابن عساکر نے امام اشعری کے ان تلامذہ اور ان کے دوسرے تلامذہ و منتسبین کے حالات بھی درج کر دیئے ہیں!

امام اشعری کا ذوق عبادت اللہ تعالیٰ نے امام اشعری کو اپنی محبت اور اپنے عرفان کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، ان کے ہم مجلسوں کا بیان ہے کہ امام اشعری نے بیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی،

لطف ومزاح با ایں ہمہ علم و فضل اور زہد و تقوی امام موصوف زاہد خشک نہ تھے، مورخین کا بیان ہے کہ امام اشعری کے مزاج میں مزاح بہت تھا،[۵]

---

[۱] تبیین ص ۱۳، ۱۴ [۲] جلاء العینین صفحہ ۱۳۲ [۳] طبقات سبکی ج ۲ صفحہ ۱۹۱ [۴] طبقات کبری شعرانی ج ۱ ص ۱۰۴ [۵] سب کا حوالہ تبیین کذب المفتری صفحہ ۱۷۷ [۶] ابن خلکان ج ۱ ص ۳۲۶،

امام اشعری کے علوم امام اشعری کا اصل موضوع علم کلام ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو دوسرے علوم سے بھی بہرہ ور کیا تھا، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، مناظرہ سب ہی چیزون سے وہ بخوبی واقف تھے،

تفسیر امام اشعری نے قرآن پاک کی ایک بلند پایہ تفسیر لکھی، جس کا نام المخزن تھا، حافظ ابو بکر بن العربی صاحب العواصم عن القواصم کی روایت کے مطابق یہ پانسو جزو مین تھی، لوگون نے بہ کثرت اس سے اخذ کیا تھا، عبد الجبار ہمدانی کی تفسیر محیط جو سنو جزو مین تھی، اسی سے ماخوذ تھی[1]، علامہ ذہبی کا خیال ہے کہ امام موصوف نے یہ تفسیر اپنے زمانۂ اعتزال مین لکھی تھی، لیکن یہ خیال صحیح نہین ہے، علامہ سبکی نے اس تفسیر کا پہلا حصہ دیکھا ہے، ان کا بیان ہے، کہ اس مین معتزلہ کا رد ہے[2]، مرآۃ الجنان مین امام اشعری کی تفسیر کے مقدمہ کی چند سطرین نقل کیگئی ہین، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تفسیر درحقیقت ابو علی جبائی کی تفسیر کے رد مین لکھی گئی تھی، اور جبائی نے جو غلط تاویلات کی تھین، ان کا اس مین جواب دیا گیا تھا[3]، خود امام اشعری نے اپنی کتاب العمد جس مین اپنی تصنیفات کی فہرست دی ہے، اس مین فرماتے ہین :-

والفنا کتاب تفسیر القرآن ردد نا	ہم نے ایک تفسیر قرآن لکھی ہے جس مین
فیہ علی الجبائی والبلخی ماحرفامن تاویلہ[4]	جبائی اور بلخی کی تحریفات کا رد کیا ہے !

امام اشعری کی اس تفسیر قرآن کا کہین پتہ نہیں چلتا ہے، ایک بیان یہ ہے کہ صاحب بن عباد معتزلی نے اس کتاب کے نسخہ کو جو دار الخلافہ کے خزانہ مین تھا، خازن کو دس ہزار دینار دے کر جلوا دیا، واللہ اعلم لیکن عہد حاضر کے مشہور مصری عالم زاہد کوثری اس روایت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہین ہین[5]،

حدیث امام اشعری نے فن حدیث مین کوئی تصنیف نہین کی، لیکن مشائخ حدیث کے حلقۂ درس مین چونکہ بیٹھے تھے، اور حدیث سے بخوبی واقف تھے، اسلئے اپنے اساتذہ سے روایت حدیث بھی کرتے ہین، چنانچہ بصرہ

[1] تعلیق کوثری علی التبیین ص ۲۹ [2] سبکی ج ۲ ص ۲۵۰ [3] مرآۃ الجنان ج ۲ صفحہ ۳۰ [4] تبیین کذب المفتری صفحہ ۱۳۶ [5] تعلیق کوثری علی التبیین صفحہ ۱۳۶،

کی جامع مسجد میں بعض لوگون نے ان کا امتحان لینا چاہا تو امام موصوف نے اپنے شیخ زکریا ساجی کی سند سے حدیث روایت فرمائی[1] نیز اپنی تفسیر مین اپنے دوسرے مشائخ ابو خلیفہ جمحی سہل بن نوح محمد بن یعقوب المقری اور عبد الرحمن ابن خلف الضبی وغیرہ سے بکثرت حدیثین نقل کی ہیں[2]، شروع مین یہ معلوم ہو چکا ہے، کہ امام موصوف کے اعتزال سے رجوع مین مطالعۂ حدیث کو بہت دخل تھا،

فقہ فقہ مین امام اشعری تقلید کرتے تھے، لیکن ائمہ مین سے وہ کس کے مقلد تھے، یہ بہت دلچسپ سوال ہے، شوافع کہتے ہین کہ وہ شافعی تھے، چنانچہ ابن عساکر نے ان کو شافعی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے[3]، مالکیہ کا خیال ہے کہ وہ مالکی تھے[4]، احناف ان کی حنفیت کے مدعی ہین، صاحب الجواہر المضیئہ[5] اور علامہ ابن قطلوبغا ان کی حنفیت پر مصر ہین[6] علامہ مقریزی بھی حنفی کہتے ہین[7]، ابن آلوسی بھی حنفی بتلاتے ہین[8]،

اصل یہ ہے کہ امام اشعری کا فروع مین شافعی، مالکی یا حنفی ہونا صاف واضح نہین ہوتا، مگر یہ بات تو بہر حال یقینی ہے کہ ان کو کسی مسلک سے تعصب نہ تھا، وہ تمام مجتہدین کو برحق جانتے تھے، حافظ ابن عساکر نے علامہ جوینی سے کتاب عقیدۂ اصحاب الامام المطلبی کے حوالہ سے امام اشعری کے متعلق ایک فقرہ نقل کیا ہے، جو امام موصوف کے مسلک کی پوری توضیح کرتا ہے، وہ فقرہ یہ ہے :

ومذہب الشیخ ابی الحسن تصویب	امام اشعری کا مسلک یہ تھا کہ فروع مین تمام
المجتہدین فی الفروع[9]،	مجتہدین حق ہین،

تصوف اللہ تعالیٰ نے جس طرح امام موصوف کو علوم ظاہری سے نوازا تھا، اسی طرح علوم باطنی کا امام بنایا تھا، علامہ سبکی نے لوگون کا قول نقل کیا ہے، کہ شیخ جس طرح علم کلام کے امام ہین، اسی طرح علم تصوف کے بھی امام ہین[10]،

[1] سبکی جلد ۲ صفحہ ۲۵ [2] حوالۂ مذکور [3] تبیین ص ۱۲۴ [4] ایضاً صفحہ ۱۱۴ [5] جلد ا صفحہ ۳۵۳ [6] طبقات الحنفیہ ابن قطلوبغا صفحہ ۱۱۷ [7] مقریزی ج ۴ صفحہ ۱۸۶ [8] جلاء العینین صفحہ ۱۳۴ [9] تبیین صفحہ ۱۱۵،

ابو اسحاق اسفرائینی کہتے ہین، کہ مین ابوالحسن باہلی کے سامنے ایسا ہون جیسا دریا کے سامنے قطرہ،

اور ابوالحسن باہلی کہتے تھے، کہ مین امام اشعری کے سامنے ایسا ہی ہون جیسے دریا کے سامنے قطرہ،[۱]

مناظرہ امام اشعری کو قدرت نے خاص مناظرانہ قوت دی تھی، اگرچہ بعض اشاعرہ ان کی قوتِ مناظرہ کے قائل نہین ہین[۲]، لیکن یہ امر واقعہ ہے، کہ وہ بہت بڑے مناظر تھے، اونھون نے علم المناظرہ بوعلی جبائی سے حاصل کیا تھا،[۳] معتزلہ مین جبائی کو فنِ مناظرہ مین خاص شہرت حاصل تھی،[۴] امام اشعری جب تک معتزلی رہے، معتزلہ کی طرف سے مناظرہ کرتے رہے، ابوعلی جبائی کو کوئی فوری مناظرہ پیش آتا تو امام اشعری کو اپنا نائب بناکر بھیجتے تھے،[۵] امام اشعری نے اعتزال سے رجوع کے بعد معتزلہ سے بہت سخت مناظرے کئے، اکابر معتزلہ سے اور ان سے جو مناظرے ہوئے ان کو امام اشعری نے ایک کتاب مین المسائل المنثورۃ البغدادیہ کے نام سے جمع کیا ہے، اور غالبًا بصرہ مین پیش آمدہ مناظرون کو المنتحل کے نام سے جمع کیا ہے،[۶] بعض مشہور مناظرون کی کیفیت طبقات الشافعیہ وغیرہ مین مذکور ہے، جس کو ہم خوف تطویل سے نہین بیان کرتے ہین،

امام اشعری کے مناظرون سے لوگ راہِ راست پر آجاتے تھے، چنانچہ امامیہ مذہب کے ایک بڑے عالم ابوالحسن باہلی سے جب مناظرہ ہوا تو مناظرہ کے بعد ابوالحسن باہلی تائب ہوگئے، اور امام اشعری کے پاس بغرض استفادہ آنا شروع کیا یہانتک کہ بصرہ مین امام کے علوم کی اشاعت زیادہ تر انہی سے ہوئی،[۷]

مناظرہ مین احتیاط امام اشعری کی یہ خصوصیت بہت زیادہ جاذبِ توجہ ہے کہ وہ فریقِ مخالف سے ازخود کوئی سوال نہین کرتے تھے، مخالف جب خود ان سے کوئی سوال کرتا، تو یہ اس کا جواب دیتے، اسکی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ مین خود ان لوگون سے گفتگو نہین کرتا ہون، البتہ جب یہ لوگ ایسے امور مین گفتگو کرتے ہین جو خدا کے نزدیک صحیح نہین ہین تو ہم خدا کی مرضی کے موافق، حق کے مخالفون کی تردید کرتے ہین،[۸] امام سے یہ

۱؎ سبکی ج ۲ ص ۲۴۰، ص ۲۴۹، ۲؎ تبیین ص ۹۱، سبکی ج ۲ صفحہ ۲۴۶ ۳؎ شذرات الذہب ج ۲ صفحہ ۳۰۳ ۴؎ ذکر المعتزلہ صفحہ ۴۵ ۵؎ تبیین صفحہ ۱۱۸ ۶؎ صفحہ ۱۳۳ ۷؎ صفحہ ۱۲۰ صفحہ ۱۲۸ ۸؎ سبکی جلد ۲ صفحہ ۲۴۰،

الفاظ بھی منقول ہین، کہ ہم نے بدعت مناظرہ کو ان لوگون کے کفر کو توڑنے کے لئے اختیار کیا ہے، جب وہ لوگ کسی باطل کے متعلق سوال کرتے ہین، تو ہم پر ان کے باطل کی تردید واجب ہو جاتی ہے،[۱]

امام اشعری مخالفین کی مجلسون مین خود بھی جایا کرتے تھے، اسکے متعلق ان سے سوال کیا گیا، کہ اہلِ بدعت کی محفلون مین آپ کیون جاتے ہین ؟ جواب مین فرمایا کہ یہ لوگ اہلِ ریاست ہین، کوئی والی ہے، کوئی قاضی ہے، اس لئے ہمارے پاس تو وہ لوگ آئین گے نہین، پھر اگر ہم بھی ان کے پاس نہ جائین تو اظہارِ حق کیسے ہو ؟

امام اشعری کی تقریبًا پوری عمر بحث و مناظرہ مین گذری، لیکن اونھون نے کسی کی تکفیر نہین کی، انتقال کے وقت اپنے شاگردون کو جمع کیا، اور فرمایا کہ گواہ رہو مین اہلِ قبلہ مین سے کسی کی تکفیر نہین کرتا کیونکہ وہ سب ایک معبود کو مانتے ہین،[۲]

امام اشعری کی تصنیفات مین ایک کتاب کا نام ادب الجدل ہے،[۳] معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب فنِ مناظرہ ہی کی تھی، اونھون نے اسکی شرح بھی لکھی تھی،[۴]

علم کلام علم کلام امام اشعری کا اصل موضوع ہے، امام اشعری کے علم کلام کی بنیاد، عہد بعہد اسکی ترقیان، اشعری کے علم کلام اور عام اشاعرہ کے علم کلام کا فرق، امام اشعری اور دوسرے متکلمین کے علم کلام کا موازنہ، یہ بہت ہی دلچسپ اور قابلِ توجہ عنوانات ہین، اور مستقل تلاش و تحقیق (ریسرچ) کے محتاج، اگر اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو امام اشعری کے علم کلام پر ہم مستقل طور سے لکھین گے، اس وقت اس سلسلہ کی صرف بعض باتون کو بیان کرتے ہین،

دین کی نصرت و حمایت امام اشعری کا اصل مقصد حیات تھا، اونھون نے اندرونی اور بیرونی تمام مخالفین اسلام کا بیک وقت مقابلہ کیا، چنانچہ ان کے علم کلام کی دو نمایان تقسیمین کی جاسکتی ہین، ایک علم کلام فرق باطلہ کے مقابلہ مین، دوسرا علم کلام فرق ضالہ کے مقابلہ مین،

امام اشعری اور فرق باطلہ امام ابوالحسن اشعری نے فرق باطلہ کے مقابلہ مین جو کام کیا افسوس کہ وہ ہمارے سامنے

۱؎ تبیین صفحہ ۹۷ ۲؎ الیواقیت والجواہر اول ص ۴۴ ۳؎ تبیین ص ۱۴۷ ۴؎ ،، صفحہ ۱۳۲ ۵؎

موجود نہین ہے، اور معلوم نہین کہ دست بردِ زمانہ نے اس نادر خزانہ کو کہین محفوظ بھی چھوڑا ہے یا نہین؟ اس سلسلہ مین صرف چند کتابون کے نام معلوم ہین جن کا تذکرہ ابن عساکر نے تبیین کذب المفتری مین امام اشعری کی العمد کے حوالہ سے کیا ہے[1]،

فرق باطلہ مین نصاریٰ فلاسفہ ملحدین اور دہریے امام اشعری کے خاص مخاطب معلوم ہوتے ہین بعض کتابون مین براہمۂ یہود اور مجوس پر بھی رد ہے،

امام اشعری اور فرق ضالہ

فرق ضالہ مین قدریہ جہمیہ، معتزلہ، مجسمۂ خوارج، روافض وغیرہ کے مقابلہ مین امام اشعری کو کام کرنا پڑا، لیکن ان تمام فرقون مین اصل خطاب معتزلہ ہی سے رہا، امام اشعری کا زمانہ معتزلہ کے شباب کا زمانہ بھی تھا، ابن تیمیہ کہتے ہین کہ چونکہ اشعری خود معتزلی رہ چکے تھے اور اعتزال کے رگ و ریشہ سے خوب واقف تھے اسلئے اسکی اونھون نے خوب ہی تردید کی[2]،

فرق ضالہ کے مقابلہ مین امام اشعری نے جو کتابین لکھین، ان مین سے کوئی کتاب بھی اس وقت موجود نہیں معلوم نہین کہ آیندہ نسلون کو بھی یہ دولت میسّر آئے گی یا نہین، حافظ ابن عساکر نے تبیین مین امام اشعری کی العمد سے چند کتابون کا تذکرہ کیا ہے،!

بہر حال اتنا تو معلوم ہے کہ امام اشعری کی تصانیف اور ان کے مناظرون نے چند ہی دنون مین گمراہی کے پردون کو پوری طرح چاک کر دیا، اور ہر طرف امام اشعری کی تقلید کیجانے لگی!

امام اشعری کے کلامی عقائد اور ان کا اصل مسلک

امام ابو الحسن اشعری کا عقائد کے سلسلہ مین اصل مسلک کیا تھا؟ اس کا عام جواب تو یہی ہے، کہ کتب علم کلام مین امام اشعری کی جانب جو کلامی مباحث منسوب ہین وہی امام اشعری کا اصل مسلک ہے لیکن ہم کو اس بات کے قبول کرنے مین تامل ہے،

اصل یہ ہے کہ تردید و مناظرہ، مقابلہ اور دفاع کے میدان اور ایمان و عرفان کی پر سکون محفل مین بڑا

---

[1] تبیین کذب المفتری ص۱۳۵ [2] منہاج السنۃ جلد ۳ ص۲

فرق ہے بحث و مناظرہ کے سلسلہ مین معلوم نہین انسان کو کن کن راہون سے گذرنا پڑتا ہے لیکن ایمان و عرفان کی دولت سے جو سرفراز ہین، ان کے لئے تو بس اس کی ضرورت ہے، کہ صحیح اصول سے یہ ثابت ہو جائے کہ خدا کا یہ ارشاد ہے اور رسول کا یہ فرمان ہے، ان کے لئے اس سے زیادہ مکمل، مؤثر اور دلپسند کوئی دوسری دلیل نہین ہے؛

بقول حافظ ابن عساکر[1] متکلمین کی مثال طبیب حاذق کی سی ہے، کہ وہ مزاج و طبیعت کے اعتبار سے علاج کرتا ہے، کبھی گرم دواؤن کا استعمال کرتا ہے، اور کبھی ٹھنڈی دواؤن کی ہدایت کرتا ہے،

حضرت سفیانؓ نے خوب فرمایا تھا، کہ شام مین حضرت علیؓ اور کوفہ مین حضرت عثمانؓ کے فضائل بیان کرو[2]،

الغرض مقصود یہ ہے کہ افراط و تفریط نہ ہو اور حق کا اظہار و اثبات ہوتا رہے، اس اثبات و اظہار کے طریقے ماحول اور مخاطب کے اعتبار سے مختلف ہو سکتے ہین، لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ یہ بدلے ہوے طریقے اور اسالیبِ اصلاح بجائے خود اصل دین بن جائیں،

امام اشعری فرقِ ضالہ کا مقابلہ کرتے ہین، ان کو راہ پر لانے کی کوشش کرتے ہین مجسمہ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تقدیس و تنزیہہ کا ایسا نعرہ بلند کرتے ہین، کہ تشبیہ و تجسیم کے ایوان مین زلزلہ آجاتا ہے، معتزلہ کے سامنے صفاتِ باری تعالیٰ کا اثبات اس طرح کرتے ہین، کہ تقدیس و تنزیہہ مفرطا شان باری تعالیٰ کے مرتبہ بلند سے صاف فروتر نظر آنے لگتی ہے، اب وہ شخص جو ماحول سے واقف نہین، مخاطب سے واقف نہین، زمانہ کے مذاق سے واقف نہیں، عصری مباحث سے واقف نہیں، وہ امام کو کبھی مجسمہ کہدے گا اور کبھی معتزلی! حالانکہ ان دونون مین سے کوئی بات بھی صحیح نہین!

حاصل یہ ہے کہ امام اشعری کے کلامی مباحث ان کا اصل مسلک نہین ہین، یہ تو متشککین اور مخالفین کے لئے اسلام کی طرف سے دفاعی کوششین تھین، ورنہ امام کا اصل مسلک وہی ہے، جو عام محدثین اور اہلِ سُنّت کا ہے،

---

[1] تبیین کذب المفتری ص۳۸۹ [2] ایضاً

امام اشعری کی مقالات الاسلامیین اور کتاب الابانہ دونون ہمارے سامنے موجود ہین، اس مین انھون نے اپنے جو عقائد بیان کئے ہین، وہ وہی ہین جو عام اصحابِ حدیث اور اہلسنت کے ہین، مقالات مین حضرات اہلِ حدیث اور اہلسنت کے عقائد کے تذکرہ کے بعد امام اشعری کہتے ہین :-

فھذہ جملة ما یامرون بہ ویستعملو	یہ ہے جس کو یہ حضرات کہتے ہین، اور جو کچھ ہم نے
ویرونہ وبکل ما ذکرنا من قولھم	اون بزرگون کا عقیدہ بیان کیا ہے وہی
نقول والیہ نذھب[۱]	ہمارا عقیدہ ہے،

ابانہ مین فرماتے ہین :-

قولنا الذی نقول بہ ودیانتنا التی	ہم جو کچھ کہتے ہین، اور جس مسلک کے پابند ہین
ندین بھا التمسک بکتاب ربنا عزوجل	وہ یہ ہے کہ اللہ کی کتاب اور اوس کے رسول
وبسنة نبینا علیہ السلام وما روی	کی سنت کو اور جو کچھ صحابہ، تابعین اور ائمۂ
عن الصحابة والتابعین وائمة الحدیث	حدیث سے مروی ہے، اس کو مضبوطی سے
ونحن بذالک معتصمون وبما کان یقول	پکڑا جائے، ہم اوسی کے پابند ہین، اور جو کچھ
بہ ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے، وہی ہم بھی
نضراللہ وجھہ ورفع درجتہ واجزل	کہتے ہین، اور جو باتین ان کے مسلک کے مخالف
مثوبتہ قائلون ولما خالف قولہ مخالفون[۲]	ہے، ہم اوس کے مخالف ہین،

یہ تشریح اس لئے کرنا پڑی کہ آج ہمارے مدارس اسلامیہ عربیہ مین علم کلام کے نام سے جو کلامی مباحث پڑھے اور پڑھائے جاتے ہین، طلبہ سمجھتے ہین کہ یہ طریق مودل ہی اصل عقیدہ ہے، حالانکہ حقیقتِ حال یہ ہرگز نہیں ہے!

تصانیف | امام اشعری کی تصنیفات تین سو کے قریب ہین[۳] لیکن اسوقت تک صرف تین کتابین مطبوعہ شکل مین اہلِ علم کے پاس ہین

۱؎ مقالات الاسلامیین ج ۱ ص ۳۲۵، ۲؎ ابانہ ص ۸، ۳؎ تبیین ص ۱۳۶،

(۱) رسالہ استحسان الخوض مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد،

یہ بارہ صفحہ کا مختصر رسالہ ہے، اس مین مذہبی مسائل مین عقلی حیثیت سے غور و فکر کے جواز پر بحث ہی، اندازِ کلام سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ رسالہ امام اشعری کے زمانۂ اعتزال کا ہے!

(۲) ابانہ مطبوعہ حیدرآباد،

یہ امام اشعری کی اہم ترین تصنیف ہے، اس مین اہلسنت کے صحیح عقائد کا بیان ہے ضمناً قدریہ جہمیہ و معتزلہ وغیرہ کی تردید بھی ہے، ابانہ کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ امام صابونی جب درس دینے کے لئے حلقہ مین تشریف لاتے، تو ان کے ہاتھ مین ابانہ ضرور ہوتی، اور وہ اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے تھے[۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ حافظ ابن قیم وغیرہ بار بار اپنی تصنیفات مین ابانہ کا حوالہ دیتے ہین اور اوس کی عبارت نقل کرتے ہین،

(۳) تیسری اہم ترین کتاب مقالات الاسلامیین ہے یہ کتاب دو جلدون مین ہے، پہلی جلد مین تمام فرق اسلامیہ کے عقائد کا ذکر ہے، ترتیب یہ ہے کہ پہلے فرقون کا ذکر ہے، اس کے بعد ان کے مخصوص عقائد و خیالات کا ذکر ہے، دوسری جلد کی ترتیب یہ ہے کہ اس مین نفس مسائل کو اصل قرار دیا گیا ہے، اور اس سلسلہ مین مختلف جماعتون کے خیالات کو قیدِ تحریر مین لایا گیا ہے، پہلی جلد ۱۹۲۹ء مین اور دوسری جلد ۱۹۳۰ء مین استنبول سے شائع ہوئی،

مقالات کا شمار علم کلام کی اہم ترین کتابون مین ہے، ملل و نحل کے متعلق اشعری کے بعد جو کچھ لکھا گیا ہے اس مین زیادہ تر اسی کتاب سے خوشہ چینی کی گئی ہے، شہرستانی کی ملل و نحل، عبدالقاہر بغدادی کی الفرق بین الفرق اور ابن تیمیہ و ابن قیم کی تصنیفات مین بکثرت مقالات کے اقتباسات ہین، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ اشعری کی مقالات جامع ترین کتاب ہے[۲]

۱؎ رسالہ فی الذب عن الاشعری ۲؎ منہاج السنہ ج ۳ ص ۲،

تقویم جلالی

اسلامی شمسی کلنڈر

از

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی

"رسالۂ اسلامک کلچر حیدر آباد میں حال میں مسلمانون کی شمسی تقویم پر عمر خیام کے زمانے کے متعلق جناب سید حسن صاحب برنی نے اور عہد نبوی کے متعلق راقم الحروف نے بعض معلومات شائع کئے تھے، اڈیٹر صاحب معارف کی فرمایش سے ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے"

دنیا کے قریب قریب ہر تمدن مین دنون برسون کے حساب کا تعلق چاند سے رہا ہے، اور تقریباً ہر زبان مین مہینے کے لئے جو لفظ ہے، وہ عموماً چاند ہی کے معنی رکھتا ہے، حتی کہ خود عربی لفظ "تاریخ" کا مادہ "اُرخ" بھی جو عبرانی، سریانی وغیرہ متعدد سامی زبانوں مین پایا جاتا ہے، چاند ہی کے معنی رکھتا ہے، لیکن قدرت کی کسی مصلحت سے قمری سال اور موسمی سال مین تقریباً دس دن کا فرق ہوتا ہے، اور یہ فرق ہزارون سالون سے انسان کو معلوم ہو چکا ہے، چین مین، ہند مین، ایران مین، یونان مین، روما مین، اسلام سے پہلے کے عرب مین، غرض ہر ایسے ملک مین جہان کچھ بھی تمدن رہا ہے، قمری سال کو موسمی یا شمسی سال بنانے کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کیا جاتا رہا ہے، عام طور پر ہر تیسرے سال ایک قمری مہینے کا اضافہ کیا جاتا رہا ہے، لیکن چونکہ سورج کا سال ٹھیک دنون یا گھنٹون مین نہین بلکہ نازک کسرات مین پورا ہوتا ہے، اسلئے یہ اضافے بہت زیادہ مفید نہیں ثابت ہوئے، اور چند ہی

نسلون مین گھنٹون کا فرق جمع ہو ہو کر دنون اور مہینون کی صورت اختیار کر لیتا رہا ہے، جس کے بعد پھر نئے سرے دخل دہی کرنی اور حساب کا آغاز کرنا پڑا ہے،

شمسی سال کی جو مدت قدما، جدید اہل مغرب اور قدیم مسلمان ریاضی دانون نے معلوم کی تھی وہ یہ تھی:

زمانہ	دن	گھنٹے	منٹ	سکنڈ
منصور	۳۶۵	۵	۴۶	؟
مامون سنہ ۸۲۹ء	"	"	"	۵۴٫۶۴۰۸۷۰
ایضاً	"	"	"	۴۵٫۶۸۲۳۸۸
البتانی سنہ ۸۸۲ء	"	"	"	۲۴
البیرونی سنہ ۱۰۳۳ء	"	"	"	۲۰
یونانی	"	"	۵۶	؟
رومی	"	۶	۰	۰
بابلی، ایرانی، ہندی	"	۶	۱۲	؟
عمر خیام سنہ ۴۶۷	"	۵	۴۹	۰
جدید ترین	"	۵	۴۸	۴۷٫۴۶۲۲۴

اس سے معلوم ہوگا، کہ مسلمان ریاضی دانون نے زمانۂ جدید کے نازک اور حساس آلون کی مدد کے بغیر جو نتیجہ حاصل کیا تھا، وہ یونان، بابل، ایران، ہند، چین وغیرہ سے بہت زیادہ صحیح اور جدید ترین تحقیقات سے محض تقریباً بارہ سکنڈ سالانہ کا تفاوت رکھتا ہے،

بہر حال سکنڈون کے کسرات کی تلافی کے لئے موجودہ مغربی حساب مین جو پوپ گریگری کے حکم کی بنا پر نافذ ہے، ہر تین سوا تین ہزار سال مین پورے ایک دن کا فرق پڑ جائے گا، اور اس مدت کے گذرنے پر ایک دن کو شمار سے باہر رکھنے کی ضرورت پیش آئے گی، مسلمانون نے جو طریقہ ملحوظ رکھا اس سے (۳۵) ہزار سال سے بھی کچھ زیادہ عرصے مین ایک دن کا فرق پیدا ہوتا ہے، کچھ مختصر تاریخی پس منظر کے بعد اسی کی ذیل مین تفصیل دی جاتی ہے :-

عرب جاہلیت اسلام سے پہلے مکہ والون نے "نسئی" اختیار کر لی تھی، جو اس امر پر مشتمل تھی، کہ ہر تیسرے سال ذی حجہ کے بعد بجائے محرم الحرام کے صفر آئے، اس صفر کے بعد پھر محرم، صفر وغیرہ کا معمولی سلسلہ چلے، گویا ایک زائد قمری مہینہ آجایا کرے، جو اشہر حُرُم کے تسلسل کو توڑنے کا بھی فائدہ یا نقصان رکھتا تھا، اور امور کی طرح یہ کام بھی موروثی ہو گیا تھا اور قبیلۂ تمیم کا ایک سردار جس کا لقب قلمّس ہوتا تھا، اسکا حج کے زمانے مین کعبہ کے سامنے رسمی اعلان کیا کرتا، قبیلۂ تمیم بحرین کے قریب رہتا تھا، جو ایرانی مقبوضہ تھا، اس لئے گمان ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ایران سے متاثر تھے، (یون بھی بحرین اور حجاز کے بُعد المشرقین کا تعاون قابلِ توجہ ہے) قبیلۂ تمیم کے ایک شاعر کا فخریہ مقولہ ع،

مِنّا منسئ الشهورِ القلمّسُ

بتاتا ہے کہ اس مین وہ بُرائی نہ تھی، جو بعض ریاضی سے ناواقف لوگون نے آیتِ نسئی کی تفسیر مین مشہور کر رکھی ہے، ورنہ عربی شاعری مین قلامسہ کی ہجو مین کچھ نہ کچھ ضرور آجاتا،

عہد نبوی ۱۰ھ تک مسلمانون نے حجاز کے سال نسئی مین کچھ دخل نہ دیا، البتہ حجۃ الوداع کے موقع پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی ممانعت فرمائی اور مسلمانون مین خالص قمری سال رائج ہو گیا،

لیکن یہ استنباط کرنے کے وجوہ ہین، کہ عہد نبوی مین بھی شمسی اور قمری سالون کے فرق کا اثر نظم و نسق پر معدوم کر لیا گیا تھا، اول تو قرآن مجید کے تذکرۂ اصحاب کہف (یعنی ولبثوا فی کہفہم ثلاثمائۃ سنین وازدادوا

تسعًا وہ اپنے غار مین تین سو سال ٹھہرے رہے جس مین لوگون نے نو سال کا اضافہ کیا) مین اسی کا ذکر ہے کہ ہر تیسرے سال ایک مہینے کے حساب سے تین سو سال مین تقریباً نو سال کا فرق شمسی اور قمری سال مین ہوتا ہے، دوسرے اس فرق کا کوئی اثر عملاً پڑ سکتا ہے، تو وہ مالگذاری کی حد تک تھا، اور اس کے متعلق یہ انتظام کر دیا گیا تھا، کہ بجائے قمری سال کے معینہ مہینون مین محصول ادا کرنے کے، فصلون کے کٹنے پر ادا کرین، اور اس طرح عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ مین کوئی دشواری نہ رہی، اس کا صریح ذکر اہلِ بحرین کے معاہدون مین بھی ملتا ہے، وسیلۃ المتعبدین مؤلفہ عمر الموصلی (مخطوطۂ بانکی پور ورق ۳۱ تا ۳۲) مین وہ مکتوب نبوی ہے جس مین بحرین والون پر زکوٰۃ عائد کی گئی ہے، اور طبقات ابن سعد (جلد اول حصہ دوم صفحہ ۳۲ تا ۳۳) مین وہ مکتوب مبارک ہے، جس مین اس زکوٰۃ کی وصولی کا طریقہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ

وَلَهُمْ ان لا يحبسوا عن طريق الميرة
ولا يمنعوا اصوب القطر ولا يحرموا
حريرو (؟ صريو) الثمار عند بلوغه،

ان کا یہ حق ہے کہ ان کو غلے کی کاروانی راستے سے نہ روکا جائے اور نہ بارش کے مقام سے وہ روکے جائین اور نہ پھلون کے کاٹنے سے جب کہ

سیاق و سباق سے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فصل کٹنے پر وہ غلہ فوراً برآمد کر سکتے ہین، بارش ہو کر کسی جگہ چارہ ہو جائے تو اپنے ریوڑ وہان فوراً لے جا سکتے ہین، اور پھل تیار ہونے پر فوراً توڑ کر کام مین لا سکتے ہین، — ان تمام امور مین انھین سرکاری محصول وصول کنندہ کی آمد کا انتظار کرنے کی ضرورت نہین بلکہ ان کی بات پر اعتماد کیا جائے گا، اور انھین ہفتون مہینون انتظار کر کے نقصان اٹھانے کی ضرورت نہ ہوگی، یہ محصّل (یا محصول وصول کنندہ) قمری سال کے حساب سے سال مین بظاہر صفر اور رجب مین دو بار جاتے تھے، جیسا کہ عہدِ نبوی کے معاہدۂ نجران مین اشارہ ہے،

عہدِ نبوی اور خلافت راشدہ مین صفر اور رجب مین کسان جتنا محصول پیش کرتے، لے لیا جاتا، اور باہمی اعتماد پر کام چلتا، بعد کے زمانون مین جب ہر صفر اور رجب مین محصول طلب کیا جانے لگا، چاہے

فصل کٹ چکی ہو یا نہ ہو تو رعایا پر سختی ہونے لگی، اور مرکزی حکومت نے شکایتوں پر توجہ کرکے تحقیق کی تو شمسی و قمری سال کے فرق پر اس کی توجہ منعطف ہوئی،

مسلمانوں نے مالگذاری کا سال ایرانی نہج پر اختیار کیا، لیکن اس میں حسب ضرورت اصلاح بھی دی، جو اصلاح جلال الدین ملک شاہ سلجوقی نے ۴۶۷ھ میں کرائی، وہ سب سے زیادہ اہم ہے، اس کام کے لئے عمر خیام، ابو المظفر اسفزاری، خواجہ عبد الرحمن خازنی، میمون بن نجیب واسطی، محمد بن احمد معموری بیہقی، حکیم ابو العباس لوکری وغیرہ ماہرین فلکیات کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی، اوس نے شمسی سال کے متعلق دریافت کیا، کہ وہ (۳۶۵) دن (۵) گھنٹے (۴۹) منٹ پر مشتمل ہے۔ جو جدید ترین مغربی تحقیقات سے صرف بارہ تیرہ سکنڈ کا فرق رکھتا ہے، اب ضرورت تھی، کہ اس مدت کو بارہ مہینوں میں کس طرح بانٹا جائے، یہی جلالی تقویم تھی،

بدقسمتی سے تاتاری سیلاب نے جلالی تقویم کے متعلق اصل دستاویزیں تباہ کر دی ہیں، البتہ اس کا جو ذکر زیج الغ بیگ اور اسکی شرح مولفہ برجندی میں ملا ہے، اس سے یہ معلوم کرنا ایک حد تک ممکن ہے، کہ جلالی تقویم میں کیا فارمولا اختیار کیا گیا تھا،

چنانچہ قدیم ایرانی طریقہ اس حد تک تو ملحوظ رکھا گیا، کہ گیارہ مہینے تیس دن والے ہوں اور بارہواں مہینہ پینتیس دن کا (اسی طرح تین سو پینسٹھ دن پورے ہو گئے، اور گھنٹوں کی کسر کے لئے) ہر چوتھے سال آخری مہینہ چھتیس دن کا ہوتا، یہ چوتھا کبیسہ سال چھ یا سات مرتبہ کرنے کے بعد پھر کبیسہ سال چوتھے نہیں بلکہ پانچویں سال ہوتا، اس کا اصول یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سات کبیسہ سال انتیس برس میں آئیں، اور آٹھ کبیسہ سال تینتیس برس میں آئیں جسے حسابی انداز میں یوں لکھا جا سکتا ہے، ۷ک/۲۹س، ۸ک/۳۳س؛ برجندی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ ۸ک/۳۳س سے سال کی مدت میں جو اضافہ ہو جاتا تھا، اس کی تلافی کرنے اور مدت کو گھٹانے کے لئے ۷ک/۲۹س شروع کیا جاتا،

چنانچہ حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷ک/۲۹س میں شمسی سال (۳۶۵) دن (۵) گھنٹے (۴۷) منٹ

اور (۳۵) سکنڈ کا ہوتا ہے، اور ہر سال ایک منٹ (۲۵) سکنڈ کی کمی ہوتی جاتی ہے، انتیس سال کے عرصے میں یہ کمی (۴۱) منٹ (۵) سکنڈ کی ہو جاتی ہے، (جب کہ عمر خیام کے حساب کے متعلق علاوہ معمولی دنوں اور گھنٹوں کے پچاس منٹ کا سال ہو) اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ۷ک/۲۹س کا چکر ختم ہونے کے بعد ۸ک/۳۳س شروع کیا جاتا ہے، اس سے سال (۴۹) منٹ اور (۵۴ء۵) سکنڈ لیتا ہے، اور (۳۳) سال میں (۱۷۹ء۸۵) سکنڈ یا کچھ ہی کم تین منٹ کی بچت ہو جاتی ہے، اس لئے ۷ک/۲۹س کے تین چکر اور ۸ک/۳۳س کے اکتالیس چکر یکے بعد دیگرے کرائیں تو کمی اور زیادتی بالکل برابر ہو جاتی ہے، یعنی ۷ک/۲۹س کے تین چکروں سے (۱۲۳) منٹ کم ہو جاتے ہیں، ۸ک/۳۳س کے اکتالیس چکروں سے بھی (۱۲۳) ہی منٹ بڑھ جاتے ہیں، اب اس کا طریقہ یہ رکھا جائے، کہ ۸ک/۳۳س کے تین چکر دن کے بعد ۷ک/۲۹س کا ایک چکر آیا کرے اور اس طرح ۳۱ک/۱۲۸س ہو یعنی اکتیس کبیسہ سال (۱۲۸) سال میں آئیں تو سال کے (۳۶۵) دن (۵) گھنٹے (۴۸) منٹ (۴۵) سکنڈ ہوں گے اور ہر سال میں جدید ترین تحقیق سے جو (۴۶۲۴ء۲) سکنڈ یا تقریباً پونے تین سکنڈ کی کمی ہوگی، اس سے (۳۵) ہزار سال میں بھی بمشکل ایک پورے دن کا فرق پڑے گا، جب کہ گریگری تقویم کے موجودہ انگریزی حساب میں ہر (۳۳۳۰) سال میں ایک دن کا فرق آجاتا ہے،

طبِّ فرشتہ

از

جناب مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی

عام طور پر لوگون کو یہی معلوم ہے کہ قاسم فرشتہ کی تصنیف گلزار ابراہیمی یعنی تاریخ فرشتہ تک محدود ہے، لیکن اندنون ہمارے کتبخانہ[1] مین ایک جدید قلمی کتاب داخل کی گئی ہے، جو عام طور پر "طبِ فرشتہ" کے نام سے زیادہ مشہور ہے، اس کتاب کا اصل نام دستور الاطباء ہے لیکن اسکو طبِ فرشتہ اور اختیاراتِ قاسمی بھی کہتے ہین، مصنف محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ہے، اسکی ابتدا یون ہے "حمد مر خدا ے راکہ بر حکم وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ آیات ستودہ کت محمد صلعم مرتفع ساختہ" اور آخر مین ہے "برادردہ نگاہ دارند و بوقت استعمال نمایند تمت تمام شد" زبان فارسی ساده خط نستعلیق، کل صفحات ۲۳۰،

عرض پانچ انچ، ۹½ انچ طویل، ہر صفحہ مین پندرہ سطرین ہین،

افسوس ہے کہ کاتب نے کسی جگہ کتابت کا سنہ نہیں لکھا، نہ اپنا نام تحریر کیا ہے لیکن نواب شیر خان بابی والی ریاست رادھن پور (گجرات) کی تاریخ وفات آخر مین کسی نے سنہ ۱۲۴۱ھ نظم مین درج کر دی ہے، اس سے اس قدر تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب اس سے قبل تحریر ہو چکی ہے، اس لحاظ سے اس کی عمر سوا سو برس کی ہوئی ابتدا مین "الممالک شیخ نظام الدین" اور آخر مین "الممالک ابن بندہ صبغۃ اللہ" ہے،

فرشتہ لکھتا ہے "مسودہ اوراق محمد قاسم الملقب بہ ہندو شاہ المشہور بہ فرشتہ عرض کرتا ہے، کہ جہانتک

[1] کتب خانہ گجرات ورنا کیولر سوسائٹی، احمد آباد،

ممکن ہوسکا اپنی بیش قیمت عمر کا ایک حصہ اس فن شریف (طب) کی اُن کتابون کے مطالعہ کے بعد جو ایران توران اور عرب مین مشہور اور متداول ہین، میری طبیعت ہندوستان کے علم طب (ویدک) کی طرف مائل ہوئی انکی کتابین دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ان کی علمی اور عملی طب بہت مضبوط پایہ پر ہے، پس اپنے مسلمان عزیزون کے خاطر جو یہان کے موسمون اور ہواؤن سے ناواقف ہین، ان کے لئے ایک ایسی کتاب ترتیب دینے کا ارادہ کیا، جو فوائد اور ضوابط طبی پر موقوف ہو، اور اس مین ازالۂ مرض، خواصِ ادویہ، فراجِ ادویہ اور غذا کے متعلق حالات درج ہون، اور ہندی دواؤن کے نام لکھکر اس کتاب کو مین اپنی یادگار چھوڑ جاؤن، اور اس کتاب کا نام دستور الاطباء رکھا، الخ

اندرونِ کتاب سے بھی اس بات کی شہادت ملتی ہے، کہ یہ کتاب فرشتہ کی ہے، فرشتہ استرآباد سے احمد نگر مین آکر مقیم ہوا، اور جب جوان ہوا تو مرتضیٰ نظام شاہ اوّل کا ملازم ہو گیا، دسوین صدی کے آخر مین اس کا شمار بڑے عہدہ دارون مین تھا، پھر جب یہان حد سے زیادہ بدنظمی پھیلی، اور ملکی غیر ملکی لوگون کو بے دریغ قتل کرنے لگے تو ۱۰ صفر سنہ ۹۹۸ھ مین فرشتہ احمد نگر سے بیجا پور چلا گیا، اور ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دربار مین دلاور خان کے توسط سے ملازم ہوگیا، جہان بادشاہ کے حکم سے تاریخ ہند لکھی، جس کا نام گلزار ابراہیمی رکھا، اور آج تاریخ فرشتہ کے نام سے مشہور ہے،

فرشتہ چونکہ دونون دربارون مین رہا ہے، اس لئے دونون بادشاہون کے عہد کے مجرب نسخون اور حکماے دربار کا متعدد جگہ ذکر کرتا ہے، چنانچہ مفرح دلکشا کے ضمن مین لکھتا ہے، کہ ملا رستم جرجانی نے مرتضیٰ نظام شاہ (متوفی سنہ ۹۹۶ھ) والی احمد نگر کے لئے یہ نسخہ ترتیب دیا،

نظام شاہ کے دو درباری حکیمون کا بھی متعدد موقعون پر ذکر کرتا ہے، جیسے حکیم مصری اور حکیم احمد شیرازی وغیرہ، سونے کے کشتے کے بیان مین لکھتا ہے، کہ علی عادل شاہ بیجا پور کے عہد مین مقربین شاہ مین سے ایک تپ دق مین مبتلا ہو گیا، حکما نا اُمید تھے، مگر شرو پنڈت (وید) نے سونے کے کشتہ سے علاج کیا،

حکیم مصری اور شاہ احمد شیرازی جواب، عادل شاہی دربار مین پہونچ چکے تھے، اور حکیم سر اللہ کا مکالمہ جو اس پنڈت کے ساتھ ہوا، اسکو بہ تفصیل لکھا ہے،

فرشتہ نے علم طب احمد نگر مین حاصل کیا، اور غالباً مشورہ حکیم مصری سے لیتا تھا، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "یہ مرہم استاذی حکیم مصری کا مجرب ہے" غالباً عنفوانِ شباب مین اوس نے اس فن کی طرف توجہ کی، وہ اپنے مطب مین مریضون کا علاج بھی کرتا تھا، کیونکہ متعدد مقام پر اوس نے لکھا ہے کہ مؤلف کا مجرب ہے، ایک جگہ لکھتا ہے کہ "مؤلف سہ روز این کارہ بخداوند تپ لرزہ می دہد"، دوسری جگہ ہے "مؤلف گوید کہ پشت دست وکف پاے شخصے بہ یبوست وخشکی بہم رسانیدہ باشد" پھر لکھتا ہے کہ "پارہ اور گندھک سے مین نے اس کا علاج کیا" ایک مقام پر لکھا ہے کہ "مؤلف لکھتا ہے کہ فلان دوا فلان مرض کے لئے مفید ہے، اور میرا تجربہ کیا ہوا ہے"

یہ کتاب ویدک کے طریقہ پر لکھی گئی ہے، اور اسی لئے بیماری اور دواؤن کے نام ہندی سے فارسی مین دیئے گئے ہین، جیسے تھوہڑ یعنی زقوم، ادرک زنجبیل، بنس لوچن طباشیر وغیرہ مضمون کا انتخاب ہندی کتابون سے کیا گیا ہے، جیسے شش رُت، واگھ بھٹ، چندرُت، ساگربت، جگدیبا، شرو پنڈت، سرلو کی، نگھنڈ وغیرہ

یہ کتاب ایک مقدمہ، تین مقالون اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ مین ارکانِ بدن اور اخلاط وغیرہ کا بیان ہے، پہلے مقالہ مین ادویہ اور اغذیۂ مفردہ کے خواص کا ذکر ہے،

دوسرے مقالہ مین مرکبات اور تیسرے مین معالجات کا بطریق اجمال بیان کیا ہے، خاتمہ مزہ کی قسمون اور دنیا کی تقسیم کے متعلق ہے،

شروع مقدمہ مین اخلاط کے متعلق لکھتا ہے کہ حکماے ہند خلط کا نام "دوک" کہتے ہین، اور وہ صرف تین ہی خلطون کے قائل ہین، (باد، بلغم، صفرا)، سودا کو خلطون مین شمار نہین کرتے، ان کا خیال ہے کہ وہ اگرچہ بدن مین موجود ہے، مگر وہ ایک مرض ہے نہ کہ خلط،

عناصر کے بارہ مین کہتا ہے کہ اس کو "تت" کہتے ہین، اور اسکی تعداد پانچ ہے، آب، آتش، خاک، باد کے علاوہ پانچوین عنصر کا نام "آکاش" ہے، جس کو عوام آسمان اور خواص خلا کہتے ہین،

طبیبِ حاذق کے لئے دس شرطین تحریر کی ہین، جن مین سے ایک یہ ہے کہ اس مین غرور نہ ہو یعنی اپنے کو بڑا نہ سمجھے، دوسرے ہر مرض کو ہلکا اور معمولی نہ خیال کرے، ہر مریض کا حال تین طرح سے معلوم کرنا چاہئے، درشن (دیکھکر)، سوسن (نبض دیکھکر) پرسن (پوچھکر)

فصلون کے متعلق تحریر کیا ہے کہ حکماے ہند دو ماہ کی ایک فصل قرار دیتے ہین، اور اس طرح سال مین چھ فصلین ہوتی ہین، اور فصل کو رُت کہتے ہین، پھر ہر رُت مین خلط کے غلبہ بیماری اور غذا کے متعلق خاص ہدایات دی ہین،

مقالہ اولیٰ مین جو اشیاے مفردہ کے خواص مین ہے سب سے پہلے آم کا ذکر ہے، فرشتہ لکھتا ہے کہ "آن میوہ ایست مستغنی از تعریف و توصیف" اس کے بعد اس کے ہر جزء کے فوائد اور نقصانات اور اس کے دفع کی تدبیرین بتا کر آم کی تین قسمیں کرتا ہے (۱) راجہ (۲) مہاراجہ (۳) ان کے علاوہ (اس تیسری قسم کو ہیچ ذات سمجھو)

اچھے قسم کی شناخت یہ ہے کہ خوش مزہ، شیرین اور متوسط القوام ہو، قد مین چھوٹا، اور باریک چھلکا ہو، اور خوش مزہ کی تعریف یہ کرتا ہے، کہ جس قدر بھی کھائے جائین اس سے نفرت نہ پیدا ہو اگرچہ شکم سیر ہو، غالب نے بھی آم کی تعریف ایسی ہی کی ہے، کہ میٹھے ہون اور بہت ہون، اسی ضمن مین کہتا ہے کہ پندرہ پھل ہین کہ اُن کو نہار مُنہ نہین کھانا چاہئے، ان مین سے ایک آم ہے،

شورہ کے تحت مین لکھا ہے کہ ایک دفعہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کو حبس بول کا مرض ہو گیا، حکیم مصری نے اسی کے ذریعہ علاج کیا، جس سے بہت جلد شفایاب ہوا،

گڑ یعنی قند سیاہ کی نسبت لکھتا ہے، کہ ان کی کتابون مین شہد کے بجائے گڑ ہی معجونون مین استعمال کرنے کو

لکھا ہے لیکن اب مسلمانون کی صحبت سے شہد کی طرف مائل ہین، کھرنی کے فوائد لکھ کر کہتا ہے کہ سب سے بہتر گجرات کی کھرنی ہوتی ہے۔

اسی طرح ککڑی (خیار) کی بہترین قسم کو پنجاب کی طرف منسوب کرتا ہے، جو زیادہ میٹھی ہوتی ہے اور اس کو مدود (؟) ککڑی کہتے ہین،

گولر کا نام انجیر صحرائی اور عربی مین تین الاحمق کہتے ہین، گو یہ مولد کرم شکم ہے، لیکن اشتہاے طعام کیساتھ بدن کو فربہ کرتی ہے، اور حاملہ عورت کے لئے بہت مفید ہے، مگر نہار منہ سخت مضر ہے،

دوسرے مقالہ مین پندرہ باب ہین، جو مفرحات، معجون، جوارش، قرص، حبوب، سفوف، سنون، روغن، مطبوخ، مشروب، مرہم، ضماد، طلا، حقنہ، شیاف، غرغرہ، سعوط اور کشتہ پر محتوی ہین، معجون کے بیان مین ایک دلچسپ واقعہ کا بیان یون کرتا ہے کہ

کتاب الاسرار کے مصنف حکیم احمد بن عمر شیرازی کہتے ہین، کہ ہندوستان کے سفر مین ایک گاؤن مین پہنچا، تو ایک بوڑھے طاقتور آدمی کو ایک خوبصورت جوان عورت کے ساتھ دیکھا، پہلے پانی مانگ کر پیا، پھر سوال کیا کہ کیا یہ تمھاری لڑکی ہے؟ اوس نے ہنسکر دانتون سے انگلی دبائی، اور کہا کہ یہ تو میری بیوی ہے اور اس سے زیادہ جوان تین اور ہین، مین نے معافی چاہکر پوچھا کہ کیا تم ان سب کو راضی رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہان . . . . مین نے بے حد متحیر ہوکر جب اسکی عمر دریافت کی تو ۲۰۰ برس بتلائی، میری حیرت کو دیکھکر اوس نے کہا کہ میری عمر پچاس سال کی تھی، کہ بہت کمزور ہوگیا، ناتوانی سے سارے کام میرے لئے دشوار تھے، اتفاقًا ایک جوگی آگیا، جس نے ایک دوا بتائی اس کے استعمال سے اس درجہ کو پہونچا، بلکہ میرے جوان لڑکے نے بھی دو سال اس کو استعمال کیا ہے، اس وقت اسکی عمر پچاسی سال کی ہے، اور اس کا ایک بال بھی سفید نہین ہے، چنانچہ دوسرے گاؤن سے اوس کو طلب کرکے ملاقات کرائی، جب اس سے حقیقت دریافت کی تو اوس نے بھی وہی بیان کی جو اس کے باپ نے کہی تھی، حکیم صاحب نے کہا کہ میری تمھاری پہلے سے کوئی شناسائی نہین، اس لئے کس طرح اس دوا کی درخواست تم سے کرون، اوس نے کہا کہ مجھے اس مین کوئی عذر نہین، چنانچہ اس نے وہ نسخہ بتادیا،

کاش شیرازی صاحب یا فرشتہ نے یہ بھی لکھا ہوتا کہ خود اُن کے تجربہ مین کیا آیا، تاکہ اس دہقانی کے صدق وکذب (مبالغہ) کا حال معلوم ہوجاتا،

شربت کے متعلق ایک نسخہ کے بابت کہتا ہے، کہ سلطان محمود خلجی دہلوی نے اپنے برادر زادے سلطان علاء الدین کو تحفہ کے طور پر بھیجا تھا،

لیکن اس مین تسامح نظر آتا ہے، کیونکہ دہلی مین کوئی سلطان محمود خلجی ہوا ہی نہین، اور مالوہ مین جو سلطان محمود خلجی ہوا ہے اس کا کوئی برادر زادہ سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے تخت نشین نہین ہوا، البتہ مالوہ مین سلطان محمود ثانی جس کا خطاب بعض مورخون نے علاؤ الدین لکھا ہے، وہ ۹۱۶ھ مین تخت نشین ہوا ہے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ علاؤ الدین محمود کا کوئی غیر معروف چچا ہو، جس نے اوس کو یہ تحفہ بھیجا ہو، اور کاتب نے غلطی سے مالوی کی جگہ دہلوی لکھ دیا ہو، اگرچہ تاریخ مین علاء الدین (محمود خلجی آخری سلطان مالوہ) کے کسی چچا کا نام محمود نظر نہین آتا،

پارہ کی وجہ تسمیہ مین لکھتا ہے کہ پارد کے معنی ہندی مین "ساحل" کے ہین، چونکہ مریض بجز مرض سے صحت کے ساحل تک اسی کے ذریعہ پہنچتا ہے، اس لئے اس کو پارہ کہتے ہین، پھر کہتا ہے کہ حکماے ہند اس کے متعلق بہت مبالغہ سے کام لیتے ہین، جو زیادہ تر دکانداری ہے،

بعض دواؤن کے نام شخصی نام پر ہین، جیسے حلواے بکرماجیت، نارائن چورن، چورن علاء الدین جس کے اجزار کو حضرت امیر خسرو نے نظم مین جمع کردیا ہے، ایک دوا کا نام رام بان ہے، اور وجہ تسمیہ مین یہ لکھا ہے، کہ رام نام خدا کا ہے، اور بان کے معنی تیر یعنی تیر خدا جو کبھی خطا نہیں کرتا، فرشتہ کہتا ہے کہ یہ میرا بھی تجربہ ہے بہت مفید پایا، اور اس کا نام مین نے حب روح پرور رکھا،

"حبِ گھوڑ چڑھی" بھی ایک دوا کا نام ہے، جس طرح تحصیل دار سوار ہو کر آتا ہے، اور جب تک مالگذاری (زمین کا محصول) وصول نہیں کر لیتا، گھوڑے سے نہیں اترتا، اسی طرح یہ دوا بھی مرض دور کرنے تک اپنا اثر مستقل رکھتی ہے، چنانچہ لاہور میں فرشتہ نے ایک حکیم کو اسی سے مرض اسہال کہنہ کو دور کرنے میں کامیاب ہوتے دیکھا، خود فرشتہ کا بھی مجرب ہے، فرشتہ نے اس کا نام "حبِ مسکین نواز" رکھا ہے،

روغن کے بارہ میں فرشتہ نے روغن محمودی کا ذکر کیا ہے، کہ "چوبہ" جو آج بھی گجرات کے مندروں میں مورتیوں کے لئے مستعمل ہے، سلطان محمود بیگڑہ کو پسند نہ تھا، کیونکہ اس کے رنگ سے کپڑے پر داغ پڑ جاتا تھا اور چپک بھی جاتا تھا، چنانچہ محمود نے اس کے اجزا تجویز کر کے ایک روغن ایجاد کیا جس کا نام چوبہ سفید محمودی رکھا، مگر لوگوں میں "روغن محمودی" کے نام سے مشہور رہا،

اس کتاب کے حاشیہ پر بھی بعض نسخے یا تجربات درج ہیں، جو مالک کتاب شیخ نظام الدین حکیم کے ہیں، جنھوں نے فرشتہ کے بعض نسخوں کو تجربہ کر کے دیکھا ہے، اور صحیح پایا ہے،

کتاب میں اکثر مقامات پر کتابت کی غلطیاں بھی ہیں، لیکن نہ اس قدر کہ اس سے خلل واقع ہو، یہ دوسرا مقالہ کشتہ جات مفردہ و مرکبہ پر ختم ہو جاتا ہے، اور کتاب زیرِ تبصرہ بھی اسی دوسرے مقالہ پر تمام ہو جاتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ کاتب نے اس کے دو حصے کر دیئے، یہ پہلا حصہ ہے، اور دوسرے حصہ میں معالجات، انواع فرزہ کی شرح اور ممالکِ ربع مسکوں کی تقسیم کا ذکر ہے، کاش یہ حصہ مل جاتا تو اس قدر پتہ چلتا کہ ہندوؤں نے ہزاروں برس پہلے دنیا کی تقسیم کس طرح کی تھی، اور اس سے البیرونی کی کس قدر تصدیق ہوتی ہے، ناظرین سے استدعا ہے، کہ اگر کسی صاحب کے پاس یہ دوسرا حصہ ہو تو مطلع فرما کر شکر گذار فرمائیں۔

دولتِ عثمانیہ جلد دوم

سلطنتِ عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی تفصیل، از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم ۱۳۳۰ھ ۱۹۲۹ء قیمت صر ضخامت ۷۰۰ صفحے،

منیجر

استفسار و جواب

عہدِ مغلیہ کے دو پروانے

اور

نواب ذوالفقار خان کاکر خان اور محمد شفیع

جناب سید صدیق عالم صاحب } بگرامی خدمت محترم المقام حضرت مولانا سید صاحب قبلہ
میلوشارم ضلع شمالی ارکاٹ مدراس } مدظلہ العالی — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

"احقر آپ کا نہایت شکر گذار ہوگا اگر آن قبلہ نواب کاکر خان کے متعلق ایک مختصر سا نوٹ رسالہ معارف میں تحریر فرمادیں، خصوصاً سنہ ولادت و وفات اور سکونت کے متعلق روشنی ڈالیے، چونکہ نواب کاکر خان کا نام مجھے جنوبی ہند کی تاریخ میں نہیں ملا، اور میرا گمان ہے کہ نواب موصوف کی سکونت غالباً جنوبی ہند ہی کی ہوگی، مگر اس کے لئے مجھے تاریخی ثبوت درکار ہے، آن قبلہ کی وسعتِ نظر فنِ تاریخ میں مسلّم ہے، اس لئے مجھے جرأت ہوئی، کہ اس بارے میں آپ کو تکلیف دوں،

میرے پاس چند قدیم پروانہ جات عہدِ اسلامی کے میری خاندانی جاگیر و انعام وغیرہ سے متعلق موجود ہیں، انھی پروانجات میں سے ایک پروانہ میں مجھے نواب کاکر خان کا نام ملا، مگر اس پروانہ میں سنہ ہجری وغیرہ درج نہیں ہے، صرف اخیر میں یہ عبارت درج ہے، "بتاریخ نہم جمادی الاول سنہ ۴۶ چہل و شش باشد" اس سے یہ پتہ نہیں چلتا، کہ آیا سنہ ۱۰۴۶ یا اور کچھ ہے،

اتقبلہ کے ملاحظہ کے لئے پروانہ کی پوری عبارت حرف بحرف نقل کرکے اس کے ہمراہ منسلک کررہا ہون

اور ایک پروانہ مین جو نواب حراست خان کا ہے، اس مین سنہ ۱۱۴۶ھ درج ہے دونون پروانونکی نقل

درج ذیل ہے،

نقل پروانہ نمبر ۱

نواب ذوالفقار خان بہادر نصرت جنگ

"متصدیان مہمات حال واستقبال پرگنہ گودی اتم سرکار رایلور مضاف صوبہ دار الجہاد

حیدرآباد بدانند کہ چون قاضی شاہ بدرالدین ولد شہباز فقیر بموجب پروانجات نواب مستطاب

مقرب آنحضرت سلطانی و پروانہ خان والاشان کارطلب خان و پروانہ وزارت پناہ محمد شفیع خان

دیوان معزول موازی بست کانی زمین بنجر افتادہ خارج جمع لائق زراعت وچہار ....

از مواضع تالیات وغیرہ عملہ پرگنہ مذکور در تصرف خود داشت قابض و متصرف است لہٰذا بتصدق

فرق مبارک بندگان حضرت خدیوگیہان خداوند زمین و زمان و واسطۂ امن و امان حسب الحکم در

وجہ مدد معاش فقیر مذکور مقرر نمودہ شدہ باید کہ اراضی سابق کہ متصرف ست بدان تغیر و تبدیل

راہ ندادہ بتصرف او واگذارند کہ حاصلات آنرا صرف مایحتاج خود نمودہ بدعاے دوام دولت

ابد مدت مشغول باشد، اگر در محلے دیگر چیزے داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند، درین باب تاکید

دانند بتاریخ نہم شہر جمادی الاول سنہ ۴۶ چہل و شش باشد"

نقل پروانہ نمبر ۲

"سند مہر حراست خان مرقوم یازدہم رمضان المبارک سنہ ۱۶ جلوس والامطابق سنہ ۱۱۴۶ ہجری انکہ

متصدیان مہمات و عاملان حال واستقبال و دیس مکھیان و دیس پانڈیان و مقدمان و مزارعان پرگنہ

گودی اتم سرکار رایلور تعلقہ کرناٹک فرخندہ بنیاد بدانند موازی چہار فلوس یومیہ جہتہ تیل چراغ مسجد

از محصول سائر پرگنہ مذکور و موازی دوازدہ کانی زمین خارج جمع لائق زراعت از سواد قصبہ گودی

اتم وغیرہ مفصلۂ ذیل عملہ پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش حقائق و معارف آگاہ شاہ بدرالدین قاضی

بموجب اسناد حکام پیشین از قدیم الایام مقرر و جاریست درین ولا نیز بدستور سابق یومیہ و اراضی

مسطور بحال و مقرر گشتہ باید کہ یومیہ مذکور بعد گرفتن قبض الوصول رسانیدہ باشند و زمین مرقوم

موافق معمول دیہ بدیہہ بموجب تفصیل ذیل و چکبندی قدیم واگذارند کہ حاصلات آنرا صرف معیشت

خود نمودہ ہمیشہ بعبادت و دعاے ازدیاد عمر و دولت مشغول باشند و یومیہ مسطور بموجب قبوضات

موی الیہ در جمع و خرج آنجا مجرے و محسوب خواہد شد و از تکالیف رسومات وغیرہ مزاحمت

نرسانند و ہر سال سند مجدد نطلبند، درین باب تاکید اکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند"

معارف :۔ محترمی زاد لطفکم علیکم السلام

عہد مغلیہ کے دو پروانے

آپ کا گرامی نامہ ملا، ان دونون پروانون مین سے اول الذکر، عہد عالمگیری کا اور موخر الذکر کا تعلق

عہد محمد شاہ سے ہے، یہ دونون پروانے در اصل فرامین نہین، بلکہ تصدیق نامے ہین، جو اس لئے بھیجے گئے، کہ قاضی

شاہ بدرالدین کے نام مدد معاش مین جو اراضیان پہلے کے فرامین مین لکھی گئی تھیں، ان پروانون سے ان کی

تصدیق ہو سکے، ان تصدیق نامون سے اندازہ ہوتا ہے، کہ تعلقہ کے عمال حکومت جناب قاضی صاحب

موصوف کو بار بار پریشان کرتے رہتے تھے، اس لئے قدیم عطایا کی تصدیق دوبارہ کرائی گئی، چنانچہ اسی

تصدیق کے لئے عہد عالمگیری مین وہ پروانہ صادر ہوا، پھر امتداد زمانہ سے جب عمال نے دوبارہ چھیڑ چھاڑ

کی تو عہد محمد شاہی میں جدید تصدیق نامہ جاری ہوا، اور اس مین تصریح کی گئی کہ

"و از تکالیف رسومات وغیرہ مزاحمت نرسانند و ہر سال سند مجدد نہ طلبند درین باب

تاکید اکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند"

اوّل الذکر پروانہ مین تاریخ نہم شہر جمادی الاول سنہ ۴۶ چہل و شش جو مندرج ہے، اس سے سنہ ۱۰۴۶ یا کچھ اور سمجھنا صحیح نہین، بلکہ اس سے مراد سنہ ۴۶ جلوس عالمگیری ہے، جس سے سنہ ۱۱۱۳ ہجری مطابق ہوتا ہے اسلئے یہ پروانہ ۹ جمادی الاولی سنہ ۱۱۱۳ھ کو دہلی سے صادر ہوا،

سنہ ۴۶ سے جلوس عالمگیری مراد لینے کی شہادت آپکے اسی پروانہ مین موجود ہے، وہ نواب ذوالفقار خان نصرت جنگ کا نام نامی ہے، یہ پروانہ انہی کی طرف سے صادر ہوا، جیساکہ سرپروانہ اُن کا نام موجود ہے،

نواب ذوالفقار خان نصرت جنگ

نواب ذوالفقار خان نصرت جنگ، عہدِ عالمگیری کے امرائے نامدار مین سے تھے، اور عالمگیر کے بعد جہاندار شاہ کے زمانہ مین باقتدار وزیر اعظم بنے، اور اس عہد کی تاریخِ ہند مین نمایان ترین شخصیت انہی کی رہی،

نواب ذوالفقار خان کا نام محمد اسمٰعیل تھا، وہ امیر کبیر اسد خان آصف الدولہ کے لڑکے تھے، اور آصف خان یمین الدولہ کی لڑکی مہر النساء بیگم کے بطن سے سنہ ۱۰۶۷ھ میں پیدا ہوے، "برج اسد رونمود آفتاب" تاریخِ پیدایش ہے،

یہ نومولود ابھی بچہ ہی تھا کہ سنہ ۱۱ جلوس عالمگیری مطابق سنہ ۱۰۷۸ھ میں منصب سہ صدی و نہ سے سرفراز کیا گیا، سنہ ۲۰ ج ع میں شایستہ خان امیر الامراء کی لڑکی سے شادی ہوئی، اور اس موقع پر اعتقاد خان کا خطاب دربار عالمگیری سے عطا ہوا، سنہ ۲۵ ج ع سے مہمات ملکی پر بھیجا جانے لگا، یہ امیر کبیر گھرانے کا بلند اقبال لڑکا تھا، مختلف مواقع ملے، اور مختلف زمانون مین مختلف کارہائے نمایان اس کے ہاتھون سے انجام پائے، جن کی تفصیلات اس کے سوانح حیات مین موجود ہین، چنانچہ سنہ ۲۵ ج ع میں اجمیر کی ایک مہم مین شریک رہا، پھر اسی سال ماہ ذیقعدہ مین میرٹھ مین ایک بڑی مہم سر کی، سنہ ۳۰ ج ع میں کامگار خان

کی جگہ داروغگیٔ غسلخانہ پر مامور ہوا، پھر سنہ ۱۱۰۱ھ مین سنبھا کے ایک مشہور قلعہ پر قبضہ کیا، اور اس کی لڑکی اور مان کو گرفتار کرنے مین کامیاب ہوا، اس کارنمایان پر منصب سہ ہزاری ۲ ہزار سوار اور خطاب "ذوالفقار خان علم اعتبار" بارگاہِ سلطانی سے عطا ہوا، پھر سنہ ۳۵ ج ع مین قلعہ نرل کی تحصیل کے صلہ مین منصب چہار ہزاری حاصل کیا، اس کے بعد قلعۂ جنجی کی مہم مین مصروف رہا، پھر سنہ ۳۹ ج ع مین منصب پنجہزاری چہار ہزار سوار اور خطاب "نصرت جنگ" سے نوازا گیا، اور اسی کے بعد سنہ ۱۱۰۹ھ مین جنجی کا محفوظ ترین قلعہ مفتوح ہوا، اور اس کا نام "نصرت گڈھ" قرار پایا، اور اس طرح کرناٹک کے ایک سو قلعے ممالک محروسہ مین داخل ہوئے، اور نصرت جنگ کے منصب مین ایک ہزار سوار کا اضافہ ہوا، یعنی منصب پنجہزاری، پنج ہزار سوار سے ممتاز کیا گیا،

اس کے بعد سنہ ۴۶ ج ع مین اس کی خدمات دار الخلافت مین منتقل ہوئین، بہرہ مند خان کے بعد اسی سال وہ "میر بخشی گری" کے ممتاز عہدہ پر مامور کیا گیا، (مآثر الامراء ج ۲ ص ۹۳ تا ۹۶)

ذوالفقار خان نصرت جنگ کی طرف سے قاضی شاہ بدر الدین کے نام جو پروانہ صادر ہوا، اور جسکی نقل آپ نے بھیجی ہے، وہ اسی سال سنہ ۴۶ ج ع کا ہے، اور ان تاریخی واقعات سے نواب ذوالفقار خان نصرت جنگ کے سنہ ۴۶ مین دار الخلافت مین عہدۂ میر بخشی گری پر مامور رہ کر خدمات انجام دینے کی تصدیق ہوتی ہے، اور یہ پروانہ بھی منجملہ انہی فرائض مفوضہ کی انجام دہی کے ایک تصدیق نامہ کے طور پر صادر ہوا ہے،

آپ کے مرسلہ پروانہ پر نواب ذوالفقار خان نصرت جنگ کی زندگی سے جو روشنی پڑ سکتی تھی، وہ اوپر بیان کر دی گئی، نواب موصوف کے مابعد کے سوانح حیات بھی بطور تتمۂ کلام مختصراً ذیل مین درج کر دیئے جاتے ہین،

سنہ ۴۶ کے بعد وہ عہدِ عالمگیری مین منصب شش ہزاری و شش ہزار سوار تک پہنچا، عالمگیر کی وفات کے وقت اس کے ہمرکاب تھا، اس لئے محمد اعظم شاہ نے اس کو اپنے جلو میں لیا، میر بخشی گری کے

عہدہ پر فائز کیا، پھر جب اعظم شاہ اور شاہ عالم بہادر شاہ مین برادرانہ جنگ ہوئی، تو یہ ابتداءً اعظم شاہ کی فوج کی سپہ سالاری کر رہا تھا، اس کے ایک مشورہ کو اعظم شاہ نے قبول نہین کیا، تو یہ جنگ سے علٰحدہ ہو کر عقب مین چلا گیا، بہادر شاہ کی فتحمندی کے بعد یہ دونون باپ بیٹے اس کے سامنے پیش کئے گئے، اس نے آصف الدولہ کے ہاتھ کے رومال کو اپنے ہاتھ سے کھولا، اور ذوالفقار خان کے ہاتھ اپنے لڑکے سے کھلوائے، اور خلعت سے سرفراز کیا، آصف الدولہ کو منصب نہ ہزاری ہفت ہزار سوار، اور ذوالفقار خان کو منصب ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار، اور "صمصام الدولہ امیر الامراء نصرت جنگ" کے خطاب سے سرفراز کیا، آصف الدولہ وکیل مطلق بنایا گیا، پھر ذوالفقار خان کو اس کی طرف سے نیابۃً خدمت سپرد ہوئی، پھر میر بخشی گری کے عہدہ کے ساتھ صوبہ دکن کی صوبہ داری کی اہم خدمت پر مامور کیا گیا، بہادر شاہ کے انتقال کے بعد جہاندار شاہ کو برسرِ حکومت لانے مین ذوالفقار خان نے نمایان کام کئے، برادرانہ جنگ مین اس کو کامیاب کرایا، آصف الدولہ وکالت کے عہدہ پر اور ذوالفقار خان وزارت کے منصب پر مامور ہوا، اور ہندوستان کی سلطنت کا پورا پورا اختیار اسی کے ہاتھون مین آگیا، اور دکن مین اس کی طرف سے نیابۃً حکومت ہوتی رہی، پھر جب فرخ سیر نے فوجکشی کی، تو ذوالفقار خان نے صف آرائی کی، مگر جہاندار شاہ از خود میدان سے فرار ہو گیا، فرخ سیر کے کہنے پر وہ میدان سے ہٹ گیا،

فرخ سیر کے قبضۂ دلی کے بعد یہ دونون باپ بیٹے اس کی خدمت مین پیش کئے گئے، آصف الدولہ کی جان بخشی ہوئی، ذوالفقار خان خیمہ کے باہر ٹھہرایا گیا، اور اسی مقام پر عہدِ عالمگیری کے اس نامور امیر کی آخری سانسیں پوری ہوئین، فرخ سیر نے جہاندار شاہ کی لاش ہاتھی کے ہودج پر رکھی، سر نیزہ پر بلند کرایا، اور ذوالفقار خان کی لاش ہاتھی کی دم مین انٹی لٹکائی گئی، اور شاہ و وزیر دونون کی لاشیں اس ہاتھی پر اسی عبرت انگیز مرقع کے ساتھ گشت کرائی گئین،

ذوالفقار خان نصرت جنگ کے ذاتی سوانح حیات کے لئے مآثر الامراء ج ۳ ص ۱۱۰، ۹۰، و ج ۲

ص ۴۶۸، ۶۰۷، و ۹۳ تا ۱۰۶ دیکھئے، اور اس سے وابستہ عام سیاسی حالات عام فارسی تاریخون مین عہدِ عالمگیری سے عہدِ فرخ سیر تک کے حالات مین عموماً موجود ہین،

کاکر خان

کاکر خان شاہجہانی امراء مین سے تھا، نیز اوس نے عالمگیر کا زمانہ پایا ہے، اوس کا نام خان جہان تھا، افسوس ہے کہ اس کی ولادت اور وفات کے حالات معلوم نہین ہین، مآثر الامراء مین اس کا تذکرہ مختصراً آیا ہے، اور شاہجہانی عہد کی تاریخ مین بعض مقامون پر بعض واقعات کے ضمن مین اس کا تذکرہ سرسری طور پر ملتا ہے،

یہ شاہجہان کی تخت نشینی کے بعد ہی اسی سال بارگاہِ سلطانی مین باریاب ہوا اور منصب ہزاری چہار صد سوار اور ۶ ہزار روپیہ نقد انعام سے سرفراز کیا گیا، ۳ سنہ جلوس شاہجہانی مین خانجہان لودی کی تنبیہ کے لئے راجہ گج سنگھ کے ہمراہ مہم پر بھیجا گیا، پھر ۸ سنہ ج ش مین سید خان جہان بارہ کے ساتھ جھجھار سنگھ کی سرکوبی کے لئے متعین ہوا، پھر ۱۰ سنہ ج ش مین منصب مین پانصدی شش صد سوار کا اضافہ ہوا، (مآثر الامراء جلد ۳ ص ۱۵۲، ۱۵۳) ملا عبد الحمید کی تصریح کے مطابق منصب مین یہ ترقی جشن نوروز مین ہوئی، اور اب اسکا منصب ہزار و پانصدی ہزار سوار قرار پایا، (بادشاہ نامہ ج ۱ حصہ دوم ص ۲۵۰) پھر ۱۳ سنہ ج ش مین منصب ۲ ہزاری ہزار سوار اور خطاب "کاکر خان" سے سرفراز کیا گیا، اس کے بعد قلعہ قندھار مین متعین کیا گیا، اور یہان ایک زمانہ تک مامور رہا (مآثر الامراء ج ۳ ص ۱۵۲) یہان تک کہ ۱۰۵۸ھ مین جب شاہ ایران نے قندھار پر لشکر کشی کر کے اس پر قبضہ کر لیا تو کاکر خان ہندوستان لوٹ آیا، (منتخب اللباب ج ۱ ص ۶۶۹) پھر سلطان اورنگزیب کے ہمراہ قندھار کی اسی مہم پر روانہ ہوا اس کے بعد ۲۶ سنہ ج ش مین داراشکوہ کے ہمراہ گیا، اور کاکر خان کے سوانح حیات اسی مہم پر لا کر صاحب مآثر الامراء نے یہ لکھکر ختم کر دیئے ہین کہ

"پس ازان احوالش بنظر نرسیدہ" (ج ۳ ص ۱۵۳)

اس کے بعد عام تاریخون مین سے خوافی خان کی منتخب اللباب مین عہدِ عالمگیری مین بعض موقعون پر اسکا ذکر آیا ہے، اور اس سے آپ کے اس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے، کہ اس کا زمانہ دکن مین بھی گذرا ہے، چنانچہ ۱۰۹۱ھ مین وہ خان زمان صوبہ دار برہان پور دکن کے ماتحت منصب جزیہ پر مامور دکھایا گیا ہے، جب کہ اسی زمانہ مین مرہٹون نے اس علاقہ پر یلغار کی، اور اس کو تاخت و تاراج کیا، کاکرخان مناسب فوج نہ ہونے کی وجہ سے قلعہ بند ہو گیا تھا، مسٹر الیٹ نے بھی اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے، اور اس کو دکن مین "کلکٹر جزیہ" کے عہدہ پر بتایا ہے، (منتخب اللباب ج ۲ ص ۲۷۲، تاریخ الیٹ ج ۷، ص ۳۰۶)

اس لئے کاکرخان کا زمانہ معلوم عہد شاہجہانی کے آغاز ۱۰۳۷ھ سے ۱۰۹۱ھ تک دریافت ہو سکا ہے،

معلوم نہیں قاضی عبد الباقی کے نام کاکرخان افغان کا پروانہ کس زمانہ کا ہے، آپنے اس کو ارسال نہین کیا، ورنہ اس کی مدد سے اس کے متعلق کچھ مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیجا سکتی تھی، بہرحال نواب ذوالفقار خان کے پروانہ مورخہ ۱۱۱۳ھ مین اس کے پروانہ کا ذکر آیا ہے، اور اس کو کاکرخان کا خطاب ۱۰۴۹ھ مین ملا ہے، اس لئے پروانہ کا زمانہ ۱۰۴۹ھ کے بعد قرار پاتا ہے، اب اگر اصل پروانہ آپ ارسال کرین تو اس سے صحیح تاریخ متعین کیجا سکتی ہے،

محمد شفیع

محمد شفیع کا نام بھی نواب ذوالفقار خان کے پروانہ مین آیا ہے، یہ بھی عہدِ عالمگیری کے عمال مین سے اور فرمان نویسی ہی کی خدمت پر مامور تھا، چنانچہ اس عہدہ پر مامور ہونے اور اس کی فرمان نویسی کی خدمت انجام دینے کا ذکر گذشتہ مین مختلف واقعات کے ضمن مین آیا ہے، ملاحظہ ہو منتخب اللباب ج ۲ ص ۱۸۵ و ۱۸۶

"س"

وفیات

مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی مرحوم

گذشتہ اکتوبر کو علمی جماعت کے پرانے ممتاز رکن مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی مرحوم سابق ناظم دار الترجمہ حیدرآباد دکن نے انتقال کیا، مرحوم علی گڈھ کالج کے دورِ اول کے ممتاز تعلیم یافتہ تھے، علم و ادب کا مذاق اپنے نامور باپ مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی سے ورثہ مین پایا تھا، طالب علمی ہی کے زمانہ سے ان کے یہ جوہر نمایان تھے، سر سید کے بہت سے علمی اور ترجمے وغیرہ کے کام وہی انجام دیتے تھے، اس دور کے ان کے بعض تراجم اب تک یادگار ہین، ان مین سب سے اہم پروفیسر آرنلڈ کی مشہور کتاب پریچنگ آف اسلام کا ترجمہ دعوتِ اسلام ہے، تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۸۹۳ء مین وہ کالج لائبریری کے لائبریرین مقرر ہوئے، کچھ دنون تک ریاضی کی پروفیسری کی، اعزازی خدمت اور تہذیب الاخلاق کی ادارت کے فرائض انجام دیئے، ۱۹۰۰ء مین گورنمنٹ کے سلسلۂ ملازمت مین داخل ہوئے، اور جونپور کی عدالتِ ججی مین منصرم مقرر ہوئے، ۱۹۱۵ء مین ریاست گوالیار نے گورنمنٹ سے ان کی خدمت مستعار لے کر اپنے شعبۂ فنانس کا انڈر سکریٹری بنایا، دورانِ ملازمت مین ترجمہ کا مشغلہ برابر جاری رہا، اور اس مین ان کو اتنی شہرت حاصل ہوگئی، کہ جامعہ عثمانیہ کے قیام کے سلسلہ مین حیدرآباد مین جب دار الترجمہ کا قیام عمل مین آیا، تو گورنمنٹ نظام نے ان کی خدمات حیدرآباد مین منتقل کرا کے ۱۹۲۰ء مین ان کو دار الترجمہ کا ناظم مقرر کیا، ۱۴ سال تک بڑی قابلیت کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا، ۱۹۳۴ء مین اس سے سبکدوشی حاصل کر کے دہرہ دون کی پرسکون فضا مین قیام اختیار کیا اور یہین ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو وفات پائی،

مرحوم کا خاص کمال ترجمہ کی مہارت تھی، اس مین ان کو ایسا ملکہ حاصل تھا، کہ غیر زبانون کی کتابون کو اس طرح اردو کے قالب مین ڈھال دیتے تھے، کہ تصنیف کا گمان ہوتا تھا، انگریزی کتاب سامنے رکھکر اسکا ترجمہ

اس روانی کے ساتھ پڑھتے جاتے تھے کہ معلوم ہوتا اردو کی کتاب پڑھ رہے ہین، ضخیم سے ضخیم کتابون کا ترجمہ چند مہینون مین کر ڈالتے تھے، ان کے چھوٹے بڑے تراجم کی تعداد جن مین نظمین، قصے، کہانیان، ناول، افسانے اور ڈرامے بھی ہین، اور سنجیدہ علمی اور تاریخی کتابین بھی پچاس ساٹھ سے اوپر ہوگی، ان مین بیشتر کتابین شائع ہوچکی ہین، پھر بھی ان کا معتدبہ حصہ ابھی قلمی مسودہ کی صورت مین ہے، مستقل تصانیف بہت کم ہین، لیکن ان کے بہت سے تراجم کی افادی حیثیت بھی مستقل تصانیف سے کم نہین ہے، ان کی سب سے اہم علمی خدمت اندلس کا تاریخی جغرافیہ ہے جو ان کی سالہا سال کی محنت کا نتیجہ ہے، جس محنت و تحقیق اور تلاش و جستجو سے یہ کتاب لکھی گئی ہے، اس کا اندازہ صرف اہلِ علم کر سکتے ہین، درحقیقت یہ تنہا جغرافیہ نہیں ہے، بلکہ ایک حد تک اندلس کے اسلامی فتوحات اور اس کی ابتدائی دور کی تاریخ بھی ہے، طبعاً بڑے شریف، متواضع اور خاکسار تھے، ۶۰ سال کی عمر پائی، شادی نہین کی، اور ساری عمر عروسِ علم کی خدمت مین گذار دی، اللہ تعالیٰ اس شیفتۂ علم کو اپنی عنایت بے پایان سے سرفراز پائے،

سید محفوظ علی صاحب بدایونی مرحوم

اسی مہینہ مین ۳۰ر اکتوبر کو ایک اور پرانے ادیب سید محفوظ علی صاحب بدایونی نے فالج کے مرض مین انتقال کیا، مرحوم بدایون کے ایک قدیم و شریف خانوادہ کی یادگار، علی گڈھ کالج کے ممتاز تعلیم یافتہ، اپنے دور کے نامور ادیب، اور علی گڈھ منتھلی، اولڈ بوائے، دکن ریویو، نقیب اور ہمدرد کے دور اول کے ممتاز لکھنے والون مین تھے، اور اس زمانہ مین ان کے مضامین بڑے ذوق و شوق سے پڑھے جاتے تھے، وہ سنجیدہ و ظریفانہ دونون طرز کے شگفتہ نگار ادیب تھے، غالباً متفرق مضامین کے علاوہ کوئی مستقل قلمی یادگار نہیں چھوڑی، ادھر برسون سے علم و ادب کا کوچہ چھوڑ کر خلوت گزینی کی زندگی اختیار کر لی تھی، وہ ابتدا سے بڑے دیندار اور ظاہری وضع و قطع مین بھی پابند شریعت تھے، ناواقف شخص ان کو دیکھ کر انگریزی تعلیم یافتہ ہونے کا گمان بھی نہیں کر سکتا تھا اور یہ رنگ برابر گہرا ہوتا گیا، آخر میں بڑا ذوق و شوق اور بڑی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، اور اسی پر ان کا خاتمہ ہوا، اللہ تعالیٰ اس طالب آخرت کو اپنی رحمت و مغفرت سے سرفراز فرمائے، ہماری پرانی بزم ادب کی شمعیں ایک ایک کر کے بجھتی جاتی ہین، جو باقی ہین، وہ بھی شمع سحر ہین، اور جب تک ہین غنیمت ہین، ان کے بعد یہ روشنی بھی نظر نہ آئے گی۔

"م"

ادبیات

فرزندِ توحید سے

از جناب رَوِش صدیقی

لبِ خاموش پہ افسانۂ بے بال و پری — چشمِ غم دیدہ میں رودادِ غمِ بے اثری
بے حسی، مردہ دلی، بے عملی، بے خبری — کیا ہوا؟ آہ ترا عالمِ آشفتہ سری

دامنِ شوق میں وہ آتشِ آغاز نہین
یہ تو پروانۂ توحید کے انداز نہین

جوشِ طوفانِ حوادث سے ہراسان کیون ہے — شورشِ گردشِ دوران سے پریشان کیون ہے
انقلاباتِ کے ہنگام سے حیران کیون ہے — خوفِ باطل تجھے اے بندۂ یزدان کیون ہے

دہر مین کوئی حریفِ دلِ آزاد نہین
کوئی زنجیر نہین ہے کوئی صیاد نہین

جس نے تپتے ہوے صحرا کو بھی جنت سمجھا — خمِ شمشیر کو محرابِ عبادت سمجھا
دار و زنجیر کو تزئینِ صداقت سمجھا — جس نے کونین کے ہر درد کو راحت سمجھا

تو وہ دیوانۂ توحیدِ خدا ہے کہ نہین
یاد تجھکو ترا پیمانِ وفا ہے کہ نہین

کربلا تیرے لئے مشرقِ انوارِ حیات — ترا ہر قطرۂ خون حاصلِ گلزارِ حیات

تو نے اُلٹا ورقِ عالمِ اسرارِ حیات
مشہدِ عشق میں دیکھا تجھے معمارِ حیات

نکہتِ گلکدۂ احمدِ بے میم ہے تو
یاد ہے تجھکو کہ فرزندِ براہیم ہے تو

خوفِ تخریب ہے کیوں حاصلِ تعمیر ہے تو
بے خبر، عالمِ اسباب کی تقدیر ہے تو

کیوں ہے آزردۂ شمشیر کہ شمشیر ہے تو
خوابِ آزادیِ اقوام کی تعبیر ہے تو

تجھے کونین میں ہے نازشِ آدم ہونا
ایک دن ہے تجھے معمارِ دو عالم ہونا

آج آویزشِ اقوام ہے محشر بکنار
عام ہے مشرق و مغرب میں جنوں پیکار

بڑھتے جاتے ہیں کچھ اس طرح خزاں کے آثار
جیسے اب مڑ کے نہ دیکھے گی گلستاں کو بہار

نقشۂ عالمِ ایجاد مٹا جاتا ہے
ابرِ تخریب برستا ہی چلا جاتا ہے

قصرِ بنیادِ تمدن ہوا افتادۂ خاک
ہو چلا دانشِ مغرب کا گریباں صد چاک

مرگ افروز ہے تصویرِ حیاتِ غمناک
سخت حیرانِ تماشا ہے ضمیرِ افلاک

عرصۂ دہر سے ہے روحِ تسلی معدوم
مدتوں سے ہے سکونِ دلِ ہستی معدوم

پھر بھی یہ جوششِ طوفانِ ہلاکت کب تک
یہ حوادث، یہ تباہی، یہ قیامت کب تک

یہ عذاب اور یہ زندانِ اذیت کب تک
ختم ہوتی نہیں یہ تلخ حکایت کب تک

آخرش قافلۂ غم کو ٹھہرنا ہوگا
ڈوب کر کشتیِ انسان کو اُبھرنا ہوگا

نور و ظلمت کی کشاکش ہوئی منزل سے قریب
کشتیِ فرسودۂ تجدید ہے ساحل سے قریب

کچھ اُجالے سے ہیں خورشید کی محفل سے قریب
دامنِ جذب و اثر ہے کششِ دل سے قریب

رنگِ تغییر نمودار ہے سیاروں سے
اک نئی صبح کی آمد ہے شفق زاروں سے

تو ہی ہے صبحِ بقا ہے دمِ عیسیٰ کی قسم
تو ہی نورِ ہدیٰ ہے یدِ بیضا کی قسم

تو ہے مقصودِ خلائق ترے فردا کی قسم
تو ہے مقبولِ ازل سیدِ بطحا کی قسم

بزمِ امکان کے لئے مژدۂ رحمت ہے تو
دہر میں سایۂ خورشیدِ نبوت ہے تو

دلِ غم دیدۂ ہستی کا مداوا تو ہے
زندگی محوِ تمنا ہے تمنا تو ہے

منتظر جس کے ستارے ہیں وہ دنیا تو ہو
روحِ امروز فدا جس پہ وہ فردا تو ہے

ہر نفس ایک نویدِ ازلی ہے تجھکو
زندگی عشقِ محمدؐ سے ملی ہے تجھکو

آ! کہ پھر عزم کو مانوسِ تگ و تاز کریں
دلِ ہر ذرہ کو آمادۂ پرواز کریں

پھر درِ میکدۂ فکر و نظر باز کریں
دہر میں ایک نئے دور کا آغاز کریں

پھر اُفق سے کوئی خورشیدِ دگر پیدا ہو
شام جس کی نہ کوئی ہو وہ سحر پیدا ہو

رحمتِ عالم ہندی ترجمہ

نہایت صاف و سلیس ہندی زبان میں چھپ گیا ہے، مترجم نے کوشش کی ہے، کہ ترجمہ میں اصل کتاب کی پوری روح باقی رہے، قیمت فی نسخہ عہ ضخامت ۲۰۶ صفحے،

منیجر

باب التقریظ والانتقاد

"ہم عربی زبان کیون حاصل کرین؟"

از

جناب ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب، ایم اے، پی ایچ ڈی (لندن) پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور، ناشر: شیخ محمد اشرف، کشمیری بازار، لاہور، حجم ۴۸ صفحے، قیمت: ۱۲،

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور ہندوستان کے اُن چند اہلِ علم مین ہیں جن کے نتائج فکر اہلِ علم مین وقعت کی نگاہ سے پڑھے جاتے ہین، وہ یورپ کی متعدد زبانون کے عالم ہین، اس مناسبت سے معارف نے انھیں کچھ زمانہ گذرا "ہفت زبان" کے لقب سے یاد کیا تھا، ان کے محققانہ مضامین ہند و بیرونِ ہند کے ممتاز علمی رسالون مین چھپتے رہے ہین، اور اہلِ علم سے خراجِ تحسین وصول کرتے رہے ہین، ادھر ان کی دو قابلِ قدر کتابین انگریزی زبان مین پریس سے نکلی ہین، ان مین سے ایک "جیوگرافیکل فیکٹرز اِن عربین لائف اینڈ ہسٹری" (Geographical Factors in Arabian Life and History) اور دوسری "دہائی دی لرن دی عربک لینگویج" (Why we learn the Arabic language) ہے، ان مین سے موخر الذکر تصنیف کا تعارف اور اس کے مباحث کا ایک خاکہ ذیل مین پیش ہے،

کتاب کے مباحث چند عنوانون مین تقسیم ہین، اس طرح لائق مصنف نے الگ الگ نقطۂ نظر سے عربی زبان کی اہمیت اور دنیا کی زبانون مین اس کے مرتبہ و درجہ کو دکھایا ہے، پہلا عنوان "عربی ایک زندہ و مستعمل زبان

کی حیثیت سے" ہے، اس مین لائق مصنف نے دکھایا ہے کہ

"عربی دنیا کی زبانون مین اہم ترین زبان ہے، یہ انگریزی اور اسپینی کے بعد تیسری زبان ہے جو دنیا کے وسیع حصہ مین بولی اور سمجھی جاتی ہے، یہ زبان ساتوین آٹھوین صدی عیسوی کی عربی فتوحات سے عربی اسلامی ثقافت کے ساتھ عرب سے نکل کر وسیع ترین ملکون مین پھیل گئی، عراق، شام، فلسطین، مصر، مالٹا، شمالی افریقہ، سوڈان، نائیجیریا، مغربی صحرا اور زنجبار مین اس کے قدم جم گئے، ان مین سے بیشتر ملکون مین آج بھی یہ مذہبی، ادبی، سرکاری اور تجارتی زبان کی حیثیت سے استعمال کیجاتی ہے، اور پچھلے زمانہ مین اسپین، جزائر بلیارک، سسلی اور مڈغاسکر وغیرہ مین بھی اس کو ملکی زبان کا درجہ حاصل تھا،

اگرچہ آج کل ان ملکون مین تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ مقامی بولیان بھی بولی جاتی ہین لیکن یہان کی تحریری اور ادبی زبان یکسان قدیم اور فصیح ہے،

اس کے بعد علیحدہ علیحدہ عنوانون مین عربی زبان کے خصوصیات و اثرات پر گفتگو کی ہے، مثلاً "عربی مسلمانون کی مذہبی زبان کی حیثیت سے" انسانی آبادی کے پانچوین حصہ کی مذہبی زبان ہے، اسلامی عقائد، تمدن، مذہبی تاریخ اور مذہبی اخلاق کے صحیح مطالعہ کے لئے اسکی تحصیل ضروری ہے، ورنہ بالواسطہ ترجمون کے ذریعہ سے حقائق تک پہونچنا آسان نہ ہوگا، پھر ہر مسلم کی پیدائش کے دن سے اس کے مرنے کے دن تک عربی زبان سے اس کا واسطہ رہتا ہے، اس کے پیدا ہوتے ہی پہلا کلمہ اس کے کانون مین عربی زبان کا ڈالا جاتا ہے، اور مرنے کے وقت اس کی آخری سانس عربی زبان کے اسی کلمہ پر ٹوٹتی ہے، اس لئے ان ملکوں میں بھی جہان کی ملکی زبان عربی نہین ہے، اس غیر ملکی زبان کو بے شمار مسلمان حاصل کرتے ہین، پھر مسلمانون کے مذہبی عقائد، تاریخ، اسلامی علوم و فنون اور اس عہد کی سائنٹفک ترقیون کے معلومات حاصل کرنے کے لئے عربی کی تحصیل ناگزیر ہے، اس لئے وہ لوگ جو ان علوم مین بصیرت حاصل کرنی چاہتے ہین، ان کے لئے عربی زبان کی تحصیل ضروری ہے،

اس کے بعد عربی پر "ایک بین الاقوامی زبان کی حیثیت سے" نظر ڈالی گئی ہے، کہ مختلف ملکون کے مسلمانون کے باہمی تبادلۂ خیال کے لئے یہی زبان اُن کے درمیان واسطہ و رابطہ کا ذریعہ بنتی ہے، اس لئے کہ فصیح معیاری عربی، عربی بولنے والے ملکون مین ادب و صحافت کی زبان ہے، یہ ممالک مشرق مین عراق سے مغرب کے مراکش تک پھیلے ہوئے ہین، اور ان تمام ملکون مین عربی عمومی و بین الاقوامی زبان کی حیثیت سے باہم استعمال کیجاتی ہے، اگرچہ ان مختلف عربی بولنے والے ملکون مین مقامی اثرات سے مقامی بولیان بولی جاتی ہین، جو فصیح عربی سے کسی قدر مختلف ہین، لیکن ان مقامی بولیون سے کسی نئے ادب کا تیار ہوجانا بعید از قیاس ہے، اگرچہ مصریون کی طرف سے ایک مصری عربی کی تخلیق کی کوشش تقریباً ایک صدی سے جاری ہین لیکن یہ کوششیں غیر فطری ثابت ہو چکی ہین، چنانچہ مقامی مصری بولی مین کتابین لکھی گئیں، مگر وہ خود اس زبان کے بولنے والون کے حلقہ مین مقبول نہ ہو سکین، چند مستشرقین نے بھی ان مقامی بولیون کو معیاری ادبی زبان کی جگہ "ادب کی زبان" کا درجہ دینا چاہا، مگر ان کی کوششیں بھی بار آور نہ ہو سکین، اور مستشرقین کی ایک بین الاقوامی کانگریس مین جو ایتھنز میں ۱۹۱۲ء مین منعقد ہوئی تھی، مصری نمائندے نے بھی شرکت کی تھی، اور اس نے کسی ایسی زبان کی ہمت افزائی کرنے سے اپنی بیزاری ظاہر کی،

اس کے بعد عربی زبان بحیثیت سامی لسانیات کے بنیادی پتھر کے "عنوان سے گفتگو آئی ہے، جس مین دکھایا ہے کہ عرب ان سامی اقوام کا گہوارہ تھا جو تاریخ کے مختلف دورون مین بابل، شام، فلسطین، مصر اور اتھوپیا مین ظاہر ہوئین، اور صحیح نظریہ کے مطابق عرب ہی وہ مقام ہے جہان سے سامی زبانین نکلین، اس لئے یہ سب زبانین در اصل ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہین، اگرچہ عربی کو حقیقی طور پر اصل سامی زبان کا قائم مقام نہین کہا جا سکتا، اس لئے کہ سامی زبان بہ ظاہر چند معین تغیرات کے دور سے گذر چکی تھی، با این ہمہ وہ مزید جابرانہ تغیرات کے قبول کرنے کے لئے آزاد رہی اور مختلف قومون اور مختلف کلچرون کے باہمی تصادم سے اس زبان پر مزید اثرات پڑتے رہے اور وہ تغیرات کو قبول کرتی رہی، اس کے بالمقابل عرب کی جداگانہ حیثیت کے باعث اس کی زبان دوسری غیر سامی زبانون کے اختلاط سے محفوظ رہی، اور خارجی اثرات کو وہ قبول نہ کر سکی اور عہد قدیم

سے اپنے ایک نہج پر قائم رہی، ان وجوہ سے عربی زبان، سامی لسانیات کے بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے، علاوہ ازین عربی زبان کے لغات، اپنی دوسری ہم اصل زبانون کے لغات کی بہ نسبت زیادہ وسیع، جامع اور کثیر معانی سے لبریز ہین، اور اسلام کی ابتدائی صدیون کے ماہر لسانیات کی مساعی کا شکریہ ہے کہ انھون نے اپنی جمع و ترتیب سے اس کو دنیا کی زبانون مین نہایت مکمل اور لازوال زبان بنا دیا، اسلئے کہ موجودہ زمانہ مین لطیف سے لطیف تر خیالات کے ادا کرنے کے لئے عربی زبان مین الفاظ موجود ہین، ان خصوصیات سے عربی زبان اسکی مستحق ہے، کہ وہ اپنے صرف و نحو کی ترتیب اور لغات کی جامعیت کے لحاظ سے سامی لسانیات کے مطالعہ مین بنیاد قرار پائے،

اس کے بعد عربی زبان کی قدر و قیمت بائبل کے مطالعہ کے لئے دکھائی گئی ہے، کہ عربی زبان اور عربی زندگی کو بائبل کا مطالعہ کرنے کے لحاظ سے بھی بڑی اہمیت حاصل ہے، اس سلسلہ مین لائق مصنف نے چند ممتاز مستشرقین کے بیانات جو انھون نے مختلف علمی تصنیفات اور علمی مجالس کے خطبون اور مقالون مین ظاہر کئے ہین، نقل کئے ہین، اس طرح خود بائبل پڑھنے والے وقیع اہل علم کی زبان سے بائبل کے مطالعہ کے لئے عربی زبان کی تحصیل کی ضرورت دلنشین طور پر سمجھ مین آتی ہے،

اس کے بعد عربی زبان اور یہود کے عنوان سے گفتگو ہے، جس مین دکھایا ہے کہ زمانۂ وسطیٰ مین یہود عربی زبان سے غیر معمولی اشتغال رکھتے تھے، یہود کے عرب مین پہلی مرتبہ آباد ہونے کا صحیح زمانہ معلوم نہین اسلئے یہ بتانا ممکن نہین کہ عربی زبان سے پہلی مرتبہ انھین کب لگاؤ پیدا ہوا، اس کے بعد مصنف نے بتایا ہے کہ اگرچہ مستند تاریخی زمانہ کے اعتبار سے عرب سے یہود کا تعلق عیسائیت کے آغاز کے زمانہ سے پہلے تسلیم نہین کیا جاتا، لیکن عرب کے بعض حصون سے انھون نے جو اہم تعلق پیدا کر لیا تھا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عرب سے ان کا تعلق اس سے کہین پہلے قائم ہو چکا تھا، چونکہ اس موقع پر عرب سے یہود کے تعلق کے پیدا ہونے کا تذکرہ ضمنی آیا ہے، اور یہ اصل موضوع گفتگو نہین ہے، اسلئے لائق مصنف نے اس موقع پر مذکورہ بالا سرسری تذکرہ

فرمایا ہے، لیکن صرف عیسائیت کے آغاز کے وقت سے یہود کے تعلق کے پیدا ہونے کو مستند تسلیم کر لینا کسی قدر غلط فہمی کا باعث بھی بن جا سکتا ہے، اس لئے شاید یہ اشارہ کر دینا مناسب ہو کہ جیسا کہ لائق مصنف کو بخوبی معلوم ہے، کہ عرب سے ان کے تعلق کی ابتدا، عرب مین بنو ن شمعون کے ہجرت کر کے آنے سے ہوتی ہے، اور ہجرت شمعونیہ کا یہ واقعہ مغربی محققین کے درمیان بھی مستند مانا جاتا ہے چنانچہ مستشرق ڈوزی کی تحقیق کے مطابق ۸۰۰ ق م کے قریب یہ واقعہ پیش آیا، (Die Israeliten zu Mekka ص ۹۸-۱۰) اور مارگولیتھ نے اس سے اختلاف کر کے اس کے زمانہ کو ۴۱۰ ق م سے ۶۹۰ ق م مین منحصر کیا ہے (The Relation between Arabs and Israelites ص ۵۱).

دوسری طرف اگرچہ بعض مستشرقین نے اس واقعۂ ہجرت سے سرے سے انکار بھی کر دیا ہے، لیکن پھر بعض دوسرے اہل علم نے اس کا رد بھی کیا ہے، اور دکھایا ہے کہ عرب سے یہود کا تعلق عیسائیت کے آغاز سے تقریباً ۱۲ صدی سے پہلے سے قائم ہے، (تاریخ الیہود فی بلاد العرب، ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون استاذ لغات سامیہ دار العلوم مصر ص ۴) اس لئے اگر لائق مصنف نے عرب سے یہود کے تعلق کے آغاز کے تذکرہ کو اس حکایت سے شروع کرتے تو شاید زیادہ مناسب ہوتا،

اس کے بعد مصنف نے شعرائے جاہلی مین یہود شعراء اور ان کے کلام کے بعض اثرات دکھا کر اسلامی عہد حکومت مین یہود کے بحیثیت رعایا ہونے کا تذکرہ کیا ہے، کہ اونھون نے رعایا کے دوسرے طبقون کی طرح مشرق مین بغداد سے مغرب مین مراکش اور اسپین تک مین عربی کلچر کے اثرات قبول کئے، اور دوسرون کی طرح وہ بھی فاتحین کی زبان مین لکھنے اور بولنے لگے، اور عربی اسلامی دنیا کے یہود مین عربی زبان کو ایک دوسری مادری زبان کا درجہ حاصل ہو گیا، چنانچہ مثلاً طلیطلہ مین جہان یہود اپنی زبان اور رسم و رواج کے لحاظ سے عام آبادی سے مل جل گئے تھے، وہ اپنی مذہبی مجالس کی روداد بھی عربی زبان مین قلمبند کرتے تھے، اور اونھون نے نہ صرف اپنی مذہبی و دینی کتابین عربی زبان مین منتقل کین، بلکہ مختلف اہم موضوعون پر عربی زبان

مین کتابین تصنیف کین، پھر اس عہد کے چند مشاہیر یہود مصنفین کا حوالہ دیکر بتایا ہے، کہ جن محققین کو اس عہد کے یہود پر براہ راست معلومات حاصل کرنے ہون گے، ان کے لئے عربی زبان کی تحصیل ضروری ہوگی، اسی ضمن مین لائق مصنف نے دکھایا ہے، کہ عربی زبان کا ایک احسان جبرو پر بھی ہے، کہ یہود نے جب عربون کو اپنی زبان کی صحت کا اس درجہ اہتمام کرتے دیکھا تو ثانوی طور پر یہود کی توجہ اپنی قدیم زبان جبرو کی طرف بھی مبذول ہوئی ان مین اپنی اس زبان کی خدمت کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، اس کے قواعد صرف و نحو اور ادب و انشا کی تدوین کا خیال پیدا ہوا، اور اس سلسلہ مین اس زبان کو ترقی حاصل ہوئی، چنانچہ جبرو کے ان مدون قواعد اور جبرو کی شاعری مین عربی زبان کے نفوذ و اثرات نمایان نظر آتے ہین، اور اسی سلسلہ مین بعض مستند مستشرقین کی شہادتین پیش کی ہین، کہ اس عہد اور اس کے بعد کے دور مین جبرو ادبیات مین عربی ادبیات کے نفوذ و اثرات نمایان طور پر دیکھے جا سکتے ہین،

پھر دکھایا ہے کہ نہ صرف اس طرح زمانۂ وسطیٰ کے یہودی لٹریچر نے بلند اور ترقی یافتہ عربی لٹریچر کے ساتھ مین ترقی کی ہے، بلکہ اس عہد کے یہودی تخیلات پر اسلامی عقائد و فلسفہ کے گہرے اثرات طاری ہوئے، اور یہودی اور اسلامی عربی ادبیات کے درمیان ایک رشتہ پیدا ہو گیا، اور اس زمانہ کے وہ یہود محققین جو اپنے یہودی لٹریچر کی تحقیق و مطالعہ مین مصروف تھے، قدرتی طور پر آہستہ آہستہ عربی لٹریچر کے مطالعہ کی طرف بھی متوجہ ہو گئے، اور اس طرح رفتہ رفتہ یورپ مین مستشرقین کی ایک مستقل جماعت پیدا ہو گئی، جس کا محبوب مشغلہ عربی و اسلامی لٹریچر کی تحقیق و مطالعہ بن گیا، اور ان مین نمایان درجہ یہود مستشرقین کو حاصل رہا، پھر اسی سلسلہ مین چند ممتاز مستشرقین کے اسماء اور ان کے کارنامے پیش کئے گئے ہین،

اس کے بعد "یونانی مصنفین کے عربی ترجمے" کا تذکرہ آیا ہے، کہ بغداد کے روشن خیال خلفاء نے یونانی زبان کی قیمتی کتابون کے عربی ترجمون کی داغ بیل ڈالی، اور مختلف علوم فلسفہ، طب، حساب، ہیئت، مکانک، موسیقی، جغرافیہ اور تاریخ کی کتابین ترجمہ کین، ان مین سے بعض ایسی کتابین بھی ہین، جن کے اصل یونانی

نسخے آج دنیا مین موجود نہین، لیکن وہ کتابین اپنے عربی ترجمون کی بدولت آج بھی محفوظ رہ گئی ہین، اسی سلسلہ مین لائق مصنف نے ایسی نادر یونانی کتابون کی فہرست مع ان کے مصنفین کے حوالون کے نقل کی ہے، جن کے اصل نسخے مفقود ہو چکے ہین، اور اب ان کا وجود انہی عربی ترجمون کے ذریعہ قائم ہے،

اس کے بعد "عالمگیر تاریخ کے لئے عربی زبان کی اہمیت" پر گفتگو کی گئی ہے، اس مین اوّلاً تاریخ اسلام اور عربی تاریخ مین یونان، روما، اور ہند کی تاریخ کے معلومات کے خصوصیات بیان کئے ہین، اور اس ضمن مین مختلف مستشرقین کا یہ اعتراف نقل کیا ہے، کہ عالمگیر تاریخ کے مطالعہ کے لئے عربی زبان کی تحصیل ضروری ہے پھر اسی نقطۂ نظر سے مصنف نے سائنس کی تاریخ کے لئے عربی زبان کی اہمیت دکھائی ہے، اور افسوس کیا ہے کہ مغربی محققین نے سائنس کی جو تاریخ مرتب کی ہے، اس مین زیادہ تر اس اہم دور کو چھوڑ دیا گیا ہے، حالانکہ اس کی حیثیت درمیانی کڑی کی ہے، اور یہ دور ابھی تک روشن صرف اس لئے نہ ہو سکا، کہ عربی زبان مین سائنٹفک لٹریچر جو کچھ موجود ہے، ابھی تک اس کا صحیح مطالعہ نہین کیا گیا ہے، تاہم اب اس کا بھی آغاز ہو چکا ہے، اور امید ہے کہ آگے چل کر تحقیق و مطالعہ کے نتائج ہمارے سامنے آئین گے، اسی ضمن مین مصنف نے مسلمانون کی سائنٹفک خدمات کو بیان کیا ہے، کہ اونھون نے ایسے زمانہ مین جب عیسائی جہالت کے دور مین تھے، یونانی اور دوسری قدیم متمدن قومون کے سائنٹفک علوم کو نہ صرف لیا، بلکہ ان کو غیر معمولی ترقی دی، مسلمانون کی سائنٹفک ترقی نوین دسوین صدی عیسوی سے شروع ہوئی، اور پندرھوین صدی مین زوال کو پہنچی، بارھوین صدی مین یورپ کے ہر اس شخص نے جس کو سائنس سے دلچسپی پیدا ہوئی، مغرب سے مشرق کی طرف رجوع کیا، اور مسلمانون سے سائنس کا درس و تجربہ حاصل کیا، لائق مصنف نے اس سلسلہ مین یورپ کے مختلف ممتاز اہل علم کے بیانات و اعترافات نقل کئے ہین، جن مین مسلمانون کی سائنٹفک ترقیون کو سراہا گیا ہے، اور انھیں قدیم و جدید دونون کا درمیانی واسطہ قرار دیا ہے، اس کے بعد لائق مصنف نے دکھایا ہے کہ عربون کی ان سائنٹفک ترقیون کا مطالعہ کرنا عربی زبان کی تحصیل کے بغیر ممکن نہین ہے، کیونکہ اس زمانہ مین نہ صرف عربون نے بلکہ دوسری

قومون کے اہل علم نے بھی اپنی تصنیفات کی زبان عربی ہی رکھی ہے، پھر اس ضمن مین مصنف نے چند مثالین درج کی ہین، اور آخر مین موجودہ دور کے ایسے یورپی اہل علم کے نامون کو یکجا کیا گیا ہے جنھون نے سائنس کے عہد وسطیٰ کی تاریخ لکھی ہے، اور معلومات و مواد براہ راست عربی زبان سے حاصل کئے ہین،

اس کے بعد ایک باب "عربی زبان کا تعلق دوسری اسلامی زبانون سے" آتا ہے، اس مین دکھایا ہے کہ مختلف ممالک کے مسلمانون کی وطنی زبان فارسی، ترکی، اردو، اور سواحلی وغیرہ کے صحیح مطالعہ کے لئے بھی عربی زبان کی کچھ استعداد ہونے کی ضرورت ہے، کہ یہ زبانین نہ صرف عربی رسم خط مین ہین، بلکہ ان مین عربی کے بے شمار الفاظ داخل ہین، اور اسلامی دینیات، مدنیت اور ثقافت کے بہت سے الفاظ براہ راست عربی سے لئے گئے ہین، اسی ضمن مین بعض مستشرقین کی رائے پیش کی ہے، کہ "ایران، ترکی، اور مسلمانان ہند کی زبانون اور ادبیات مین قابل اعتماد استعداد اس وقت تک حاصل نہین ہو سکتی، جب تک عربی کی قابل لحاظ لیاقت حاصل نہ کر لی جائے"

اس کے بعد مصنف نے الگ الگ عنوانون سے فارسی اور ترکی زبانون سے عربی زبان کے تعلقات پر کسی قدر تفصیل سے نظر ڈالی ہے، اور دکھایا ہے کہ ان زبانون سے عربی زبان کے تعلقات کیونکر پیدا ہوئے اور ان مین عربی کے اثر و نفوذ کو کیا درجہ حاصل ہے، اور ان کو مثالون سے واضح کیا ہے، اور تائید مین مختلف مستشرقین کے بیانات نقل کئے ہین، اور دکھایا ہے کہ باوجودیکہ ان ملکون مین اپنی زبانون سے عربی زبان کے الفاظ علٰحدہ کرنے کی تحریک جاری ہے، اور جدید ترکی و فارسی کی تخلیق کیجا رہی ہے، بایں ہمہ ان نئی زبانون پر بھی کامل عبور حاصل کرنے کے لئے عربی زبان مین استعداد پیدا کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کیونکہ فارسی و ترکی مین عربی کے ایسے بہت سے الفاظ ہین، جو اس تحریک کے باوجود ناگزیر طور پر باقی رہ جاتے ہین اور ان مفہوم و معانی کے ادا کرنے کے لئے ان کی قدیم زبانون مین سرے سے الفاظ ہی موجود نہین ہین، اس سلسلہ مین لائق مصنف نے ترکی زبان کے ایسے لفظون اور ان کی حکومت کی نئی تسلیم کی ہوئی مختلف اصطلاحون کی مثالین دیکر دکھایا ہے کہ وہ اس قسم کے عربی لفظون اور اصطلاحون کو باقی رکھنے پر اب بھی مجبور ہین، مثلاً عزت Honour کا مفہوم ادا کرنے کیلئے انکے یہان

بجز لفظ ’’غرض‘‘ کے کوئی دوسرا لفظ موجود نہین، یا انقرہ مین ترکی نیشنل اسمبلی کے ہال پر ’’ترکی بیوک ملت مجلسی‘‘ کندہ ہے اور دیکھا جاسکتا ہے، کہ ان چار لفظون سے مرکب عبارت مین پچاس فی صدی عربی الفاظ ہین،

اس کے بعد ایک عنوان آتا ہے، ’’عربی زبان کے عناصر رومانی زبانون مین‘‘ اس مین مصنف نے دکھایا ہے کہ عربون نے اسپین پر سات سو برس سے زیادہ حکومت کی، جنوبی فرانس اور کوہ الپس کے دامن مین ایک زمانہ تک ان کی ایک اہم آبادی قائم رہی، انھون نے سسلی پر بھی دو صدیون تک حکومت کی، اور جنوبی اٹلی کے بعض حصون پر مثلاً باری اور ٹارنٹو پر ایک قابلِ لحاظ زمانہ تک قبضہ رکھا، ان ممالک سے عربون کی حکمرانی اور عربی ادبیات کے طویل تعلقات کے اثرات فطری طور پر ان ملکون کی زبانون پر پڑے، اور عربی کے سیکڑون الفاظ رومانی زبانون اسپینی، پرتگالی، فرانسیسی اور اطالوی مین داخل ہوگئے، اس کے ساتھ ان ممالک مین ایک بڑی تعداد مین مختلف مقامات، شہرون، قصبون، آراضیون، قصرون، دریاؤن اور چشمون وغیرہ کے عربی نام آج تک باقی ہین، اور اپنی عربی اصلیت کو یاد دلاتے ہین، پھر بہت سے عربی اسماء اب بھی ان مین پائے جاتے ہین، جیسے ’’قطن‘‘ (روئی) Cotton یا ’’سکر‘‘ (شکر) Sugar وغیرہ، اسی طرح بہت سے عربی الفاظ سائنس اور آرٹ کی اصطلاحون مین مستعار لئے گئے ہین، پھر عربی کے بہت سے دخیل الفاظ ان کی روزانہ زندگی کے مفاہیم کے لئے ان کی زبانون پر جاری ہین، ان رومانی زبانون کے علاوہ عربی الاصل الفاظ یورپ کی اور دوسری زبانون مین بھی پائے جاتے ہین، اور انھیں صرف لسانیات کے لحاظ سے نہین بلکہ کلچر کی تاریخ سمجھنے کے لئے بھی اہمیت حاصل ہے، ان سے ان مختلف نظریات و تخیلات کا پتہ چلتا ہے، جو پہلی مرتبہ عربون کے ذریعہ سے ان زبانون مین داخل ہوئے، اور وہ مستعار آج تک ان مین باقی ہین، اور ان کا مستعار ہونا یا تو کبھی فراموش کر دیا جاتا ہے، یا کبھی بادلِ ناخواستہ تسلیم کیا جاتا ہے، اس طرح عربون کے ان عطیات سے جدید تہذیب بھی زیر بار احسان ہے،

اس کے بعد ’’عربی زبان کا رشتہ عیسائیت اور عیسائیون سے‘‘ کے عنوان سے گفتگو آئی ہے جس مین

پہلے دکھایا ہے، کہ عیسائیون اور عیسائیت سے عربی زبان کا تعلق اسلام کے آغاز سے پہلے سے قائم ہے، اس سلسلہ مین عرب کے قدیم عیسائی قبائل اور عرب شعرائے جاہلی مین سے عیسائی شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کے بعد اسلامی حکومت کے پھیلنے کے بعد مختلف ممالک مین عیسائیون کا جو تعلق اس زبان سے رہا، اس کو دکھایا ہے اس سلسلہ مین مشرق قریب، مشرقِ بعید اور مغرب اقصیٰ کے عیسائیون پر علحدہ علحدہ گفتگو کی ہے، اور اسلامی عہد مین عیسائیون نے اپنی جو مذہبی کتابین اس زبان مین تالیف کین، ان کا حوالہ دیا ہے، اور اسی ضمن مین مختلف دورون کے ممتاز عیسائی اہلِ علم کا تذکرہ آیا ہے، اور مختلف علوم مین ان کی ان تصنیفات کا ذکر ہے جو عربی زبان مین ہین، یہانتک کہ وہ بائبل کو عربی زبان مین ترجمہ کرکے اسی زبان مین مستقل طور پر پڑھنے لگے، اور قرطبہ کے پادری نے یہ تحریری شکوہ کیا، کہ آج عیسائی ہزار مین ایک ایسے نکلین گے، جو آسانی سے لاطینی زبان مین اپنے کسی دوست کو خط لکھ سکین، اس کے برخلاف ایسے بہ کثرت عیسائی ہین، جو عربون ہی کے مثل اسی روانی صحت اور شگفتگی کے ساتھ عربی زبان لکھتے اور بولتے ہین، اسی ضمن مین مصنف نے یہ دکھایا ہے کہ مشرق قریب مین اس زمانہ مین بھی وہان کے عیسائی باشندون کی مادری زبان عربی ہے، اور وہ مادری زبان کی پوری دلچسپی کے ساتھ اسی زبان مین لکھتے اور بولتے ہین، اور ان کے درمیان بائبل کے عربی ترجمہ ہی کی تلاوت عام طور پر کی جاتی ہے،

ترتیبِ مباحث کے لحاظ سے اگر ’’عربی اور عیسائیت‘‘ کا یہ عنوان، ’’عربی زبان کا تعلق دوسری سامی زبانون سے‘‘ پہلے اور ’’عربی زبان اور یہود‘‘ کے عنوان کے بعد ہوتا تو شاید زیادہ موزون ہوتا،

لائق مصنف نے خاتمۂ بیان مین ہندوستان کے نوجوانون سے خطاب کیا ہے، کہ یہان اہلِ علم نوجوانون مین ایسا طبقہ پیدا ہونا چاہئے، جو عربی زبان سے اپنا لگاؤ پیدا کرے، اور عربی کی ان بے شمار کتابون سے فائدہ اٹھائے جو صرف عام اور ذاتی کتب خانون کی الماریون اور شلف کی زینت بنی ہوئی ہین، تاکہ ہم عربی زبان کے مطالعہ سے ایک ایسی دنیا سے روشناس ہون، تاریخ مین جس کا ایک درخشان دور گذر چکا ہے اور

جس کے اثرات آج بھی دنیا مین جاری وساری ہین، پھر لائق مصنف خاتمۂ بیان مین فرماتے ہین :-

"ایک شخص جو اپنے آپ کو عربی لٹریچر سے باخبر رکھنا چاہتا ہے، ایک ایسے کلچر سے اس کا سابقہ ہوگا جو قانون کے ایسے معین تصورات، اصولِ اخلاق اور ایک معاشرتی نظام پر مبنی ہے، جو دنیا کے ایک بڑے حصہ مین تمدنی قوت ضبط ونظم کے ذریعہ سے زیر عمل ہے، اور وہ ابھی تک انسانیت کی روحانی اصلاح وترقی کی خدمت انجام دینے کے لئے ایک طاقتور مصلحانہ عنصر کی حیثیت سے قابلِ قبول ہے، یہ ماننے مین کم بیس وپیش ہوگا، کہ ہم عرب مصنفین کے مطالعہ سے زندگی اور تخیل کی ایک نئی دنیا سے روشناس ہوتے ہین، اور ہم اسی ذریعہ سے اس تمدن کی صحیح حقیقت سمجھ سکتے ہین، جس کو اونھون نے پیش کیا ہے، اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اس تمدن کے ہر پہلو پر نظر ڈالنے سے مختلف ملکون، فرقون اور عقیدون کے درمیان باہمی اتحاد کے ترقی دینے کی طرف طبیعت کا میلان ہوگا، اور یہی موجودہ زمانہ کی سب سے اہم ضرورت ہمارے سامنے موجود ہے۔"

فاضل مصنف نے ان معلومات ومباحث کو قابلِ ستایش اختصار کے ساتھ قلمبند کرنے کے علاوہ ہر چند سطر پر اپنے بڑے ہی قیمتی اور پُر معلومات حواشی بھی ثبت کئے ہین، جن مین ان موضوعون اور معلومات پر مزید تفصیل چاہنے والون کیلئے مختلف علمی زبانون کے مختلف ممتاز اکابر کی تصنیفات اور مقالون کے حوالے یکجا ہین، یہ حواشی لائق مصنف کی نظر ومطالعہ کی وسعت پر شاہد ہین، ہم لائق مصنف کی خدمت مین ان کی اس وسیع اور مفید تصنیف پر مبارکباد پیش کرتے ہین، ضرورت ہے کہ خصوصًا نوجوان تعلیم یافتہ مسلمانون کے درمیان اس رسالہ کی عام اشاعت کی جائے، کہ ان مین عربی زبان کی تحصیل کا شوق پیدا ہو، اور اس رسالے کے ذریعہ ایک مفید خدمت انجام پائے،

"س"

مطبوعاتِ جدیدہ

مضامین عبدالماجد دریابادی — مرتبہ جناب غلام دستگیر صاحب ایم اے، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۰۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ہے، پتہ ادارۂ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے سیکڑون بیش قیمت مضامین سچ اور صدق کے صفحات مین بکھرے ہوئے ہین، ادارۂ اشاعت اردو حیدرآباد نے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی مین پرونے کا سلسلہ شروع کیا ہے، مذکورۂ بالا مجموعہ اسی سلسلہ کی ایک بیش قیمت کڑی ہے، مولانا کے مضامین کے متعلق کچھ لکھنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے، ان کا دائرۂ تحریر معلوم ومتعین ہے، موضوع اور عنوان کوئی بھی ہو، اس کا مقصد صرف احکامِ دین کی تبلیغ لادینی اور مغربیت کا انسداد، مسلمانون کی اصلاح، پند وموعظت اور عبرت وبصیرت ہوتا ہے، ان کی تحریرون کے سارے خطوط خواہ وہ کسی مرکز سے نکلین، اسی دائرہ پر ختم ہوتے ہین، غالب کی مصلحت اندیشی یہ تھی، کہ اون کو مشاہدۂ حق کی گفتگو کیلئے بادہ وساغر کا پیرایہ اختیار کرنا پڑتا تھا، مولانا کی دیدہ وری یہ ہے کہ ان کی نگاہ بادہ وساغر مین بھی تبلیغ حق کا پہلو تلاش کر لیتی ہے، اور وہ ان گوشون سے خدمتِ دین کے پہلو نکال لیتے ہین جہان دوسرون کی نگاہ بمشکل پہونچ سکتی ہے، اس کی تصدیق مولانا کی تحریرون کے رمز شناس کر سکتے ہین، مذکورۂ بالا مجموعہ چھوٹے بڑے ۶۲ مذہبی علمی، ادبی، اخلاقی اور اصلاحی مضامین تنقید وتبصرے، وفیات وتذکرۂ سلف وغیرہ پر مشتمل ہے، لیکن ان مختلف پردون مین ایک ہی جلوہ اور کل تارون مین ایک ہی نغمہ ہے، خالص علمی اور ادبی مضامین مین بھی اسی جلوہ کی پرتو افشانی ہے، فردًا فردًا کل مضامین پر تبصرہ طویل بھی ہوگا، اور لاحاصل بھی، ہر مضمون دینی روح کا مظہر اور ادب وانشا کا مرقع ہے، خالص مذہبی مضامین بھی ادب وانشا کی لطافتون سے خالی نہین، اس لئے یہ مجموعہ مذہبی پہلو

سے قطع نظر محض ادب اور لٹریچر کی حیثیت سے بھی پڑھنے اور لطف اندوز ہونے کے لائق ہے، امید ہے کہ اربابِ دل
اور اصحابِ ادب دونوں مین قدر کی نگاہون سے پڑھا جائے گا،

تعمیر انسانیت اور قرآن مجید | جلد اول، از رقیہ بنت خلیل عرب صاحبہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰۱ صفحے کاغذ کتابت
وطباعت بہتر قیمت عہ پتہ رقیہ بنت خلیل عرب بھوپال،

مصنفہ مولانا خلیل عرب صاحب سابق پروفیسر عربی لکھنؤ یونیورسٹی کی صاحبزادی اور شیخ محمد عرب صاحب
مرحوم کی پوتی اور شیخ حسین صاحب مرحوم محدث یمنی کی پرپوتی ہین، وہ کسی اسکول اور کالج کی تعلیم یافتہ نہین ہین بلکہ
پردہ کے اندر رہ کر گھر کی چار دیواری مین انھون نے تعلیم حاصل کی ہے، مذکورۂ بالا کتاب ان کی گھریلو تعلیم کی اعلیٰ
قابلیت کا نمونہ ہے، اس مین انھون نے آیات و تعلیمات قرآنی کی روشنی مین تعمیر انسانیت کے دینی اور دنیوی
اجزا پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، اور انسانی ذہن و شعور کی اصلاح کی تدبیرون، اس کے اخلاق و کردار کی تربیت
کے اصولون اور اخلاق فاضلہ کے نصاب کو کلام مجید سے دکھایا ہے، اور عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق جملہ دینی
اور دنیوی امور مین تکمیلِ انسانیت کے قرآنی نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے، ہر بحث مصنفہ کی قابلیت، آیاتِ قرآنی
پر ان کی نگاہ اور فہم قرآن کی آئینہ دار ہے، طرز تحریر دلنشین اور انشا پردازانہ ہے، اس کتاب کو پڑھ کر مشکل سے اسکا
یقین ہوسکتا ہے، کہ یہ کسی عورت کی تصنیف ہے، اس موضوع پر لائق سے لائق مرد بھی اس سے بہتر نہیں لکھ سکتا،
یہ کتاب ان لوگون کے لئے چیلنج ہے، جن کے نزدیک پردہ مین رہکر اعلیٰ تعلیم ممکن نہیں ہے، بلا استثناء موجودہ
دور کی کسی مسلمان ہندوستانی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون کی اس سے بہتر تصنیف نہین پیش کیجا سکتی ہے، امید
کہ ایک مسلمان خاتون کی اعلیٰ تصنیف کی حیثیت سے اصحابِ ذوق مین اس کتاب کی پوری قدر کیجائیگی،

ہندوستانی تمدن جلد اول مؤلفہ جناب ایشورا ٹوپا، ڈی فل ریڈر شعبۂ تاریخ تمدنِ ہند جامعہ عثمانیہ،
تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۰۴ صفحے، کاغذ کتابت طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ ادارہ ادبیات اردو خیریت آباد حیدرآباد دکن

اردو مین قدیم ہندوستانی تمدن کی کوئی جامع تاریخ موجود نہین تھی، لائق مؤلف نے اس کتاب میں اس

کمی کو پورا کیا ہے، اس مین ہندوستان کے قدیم تاریخی زمانہ دراوڑی عہد سے لیکر گپت خاندان کے زمانہ تک ہندوستان
کے تمدنی ارتقاء کی مرتب فلسفیانہ تاریخ بیان کی گئی ہے، اور دراوڑی، برہمنی، اپنشد، دھرم شاستر، جینی، بدھ،
موریا خاندان، برہمنیت کی نشاۃ ثانیہ اور گپت خاندان، ہر دور کے تمدنی حالات اور مختلف عوامل و محرکات،
مفکرین و مصلحین کے افکار و خیالات، ملک کے عام حالات اور مختلف تحریکون کے زیر اثر مختلف معاشرتی، سیاسی، مذہبی
اور روحانی نظامون کی پیدائش، ان کے عہد بعہد کے تغیرات، ہر دور کے شعر و ادب، تعمیرات و فن کاری وغیرہ
تمدنی زندگی کے تمام پہلوؤن کی فلسفیانہ اور مربوط تاریخ ہے، جس سے ہندوستان کے قدیم دور سے لیکر خاندان
گپت کے زمانہ تک ہندوستان کے ہر جہتی تمدنی ارتقاء اور اس کے اسباب و علل کی پوری سرگذشت سامنے
آجاتی ہے، کتاب بڑی قابلیت سے لکھی گئی ہے، اس موضوع پر غالباً اردو مین یہ سب سے پہلی جامع کتاب ہے،
زبان نہایت صاف اور شستہ بلکہ ادیبانہ ہے، اندازِ بیان اتنا دلچسپ ہے، کہ تاریخ مین افسانہ کا رنگ پیدا ہوگیا ہے،
اس کتاب کی تالیف سے اردو مین ایک اچھی کتاب کا اضافہ ہوا، تاریخ ہند سے دلچسپی رکھنے والون کے مطالعہ
کے لائق ہے،

دھڑکنین از جناب ندیم قاسمی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۴۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت
مجلد عہ، پتہ:- اردو اکیڈمی لاہور،

مصنف کا نام ادبی دنیا مین بیگانہ نہین ہے، وہ شاعر بھی ہین اور افسانہ نگار بھی، دھڑکنیں ان کے
کلام کا مجموعہ ہے، اس مین مختلف واقعات، احساسات و جذبات پر قطعات اور چھوٹی چھوٹی نظمین ہین، نئی شاعری کی بے راہ روی
کو دیکھتے ہوئے کلام غنیمت، اور ایک حد تک استقامِ شاعری سے پاک ہے، لیکن پیش نامہ نگار صاحب نے شاعر کو جس
بلند مقام پر دکھانے کی کوشش کی ہے، وہ یا تو ان کی سخن فہمی کا نتیجہ ہے یا محض شاعر کی حوصلہ افزائی مقصود ہے،
پیش نامہ نگار صاحب لکھتے ہین "شاعر نے اپنے کلام مین ایک نیا تجربہ ادبی پیش کیا ہے، اس نے شاعری اور افسانے
کو یکجا کر دیا ہے، ہر قطعہ ایک مستقل افسانہ بھی ہے اور ایک نظم بھی ..... شاعر کی شاعری مین چینی اور جاپانی شاعری کا

اثر نمایان نظر آتا ہے ..... جو ادیب ان کی ادبی عظمت کا منکر ہے، اس کا ادبی ذوق محلّ نظر ہے، راقم الحروف کو اپنی کم سوادی اور کوتاہی نظر کا اعتراف ہے، کہ وہ اس مجموعہ مین ان کمالات کے ادراک سے قاصر رہا، اگر افسانہ سے مراد ایک مسلسل اور مکمل تخیل ہے، تو قطعات اور نظمیں تو مکمل خیال کی حامل ہوتی ہی ہین، اس میں شاعر کے اجتہاد کو کیا دخل ہے، "پیش نامہ نگار" صاحب جب بخشش و عطا ہی پر آئے تھے، تو شاعر کے تخیل کی جولانگاہ کو محض چین و جاپان تک کیون محدود رکھا، ساری کائنات پڑی تھی اگر ذرا وسعت سے کام لیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا چین و جاپان تک محدود کر دینا نہ صرف شاعر بلکہ اپنی وسعتِ نگاہ پر بھی ظلم ہے، اگر ناقد کی یہ تحریر شاعر کے ساتھ سنجیدہ ظرافت ہے تو ہم بھی ان کے ساتھ ہین، اور اگر واقعی سنجیدہ رائے ہے تو خواہ شاعر کی ادبی عظمت مانی جائے یا نہ مانی جائے "پیش نامہ نگار" صاحب کی سخن فہمی اور ان کے ادبی ذوق کو تو بہر حال ماننا ہی پڑے گا،

خونی از جناب اختر انصاری صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۵۹ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مرقوم نہیں، مکتبہ اردو لاہور،

اس کتاب کے مصنف بھی روشناس شاعر اور افسانہ نگار ہین، ان کے افسانون کے بعض مجموعے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہین، خونی ان کے بارہ افسانون کا نیا مجموعہ ہے، یہ افسانے زندگی کے مختلف حالات و واقعات اور ہماری معاشرت کے مختلف زاویون کے ترجمان ہین، مصنف ترقی پسند نوجوانون مین ہین، اور یہ افسانے دلچسپ ستھرے اور ترقی پسند ادب کی عام رکاکتون سے پاک ہین،

حرکت مین برکت از جناب الیاس احمد خان صاحب مجیبی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۶۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت معلوم نہین، پتہ بچون کا بک ڈپو احمد منزل کلان محل دہلی،

الف لیلا اتنی دلچسپ اور مقبول کتاب ہے کہ دنیا کی ہر ترقی یافتہ زبان مین اس کا ترجمہ ہو چکا ہے، اسکی خوبی یہ ہے کہ وہ بچون سے لیکر بوڑھون تک اور عامی سے لیکر عالم تک ہر مذاق کے لئے یکسان دلچسپ ہے، لیکن اس کے افسانے اتنے طویل اور پیچ در پیچ اور بعض بعض اخلاقی معیار سے گرے ہوئے ہین، کہ بچوں اور بچیون کے پڑھنے کے لائق نہین، جناب الیاس احمد خان صاحب نے سات نتیجہ خیز افسانون کی تلخیص کر کے بچون کی زبان مین ان کے مذاق کے مطابق بنا دیا ہے، بچے ان افسانون کو لطف اور دلچسپی سے پڑھین گے،

"م"